اس شمارے میں

حرفِ اوّل

پیغام رساں؟ — حافظ عاطف وحید — 2

مطالعہ قرآن حکیم

سورۃ البقرۃ (آیات ۱۲۴ تا ۱۴۱) — ڈاکٹر اسرار احمد — 3

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 17

رجوع الی القرآن

قرآن کا پیغام: انسانیت کے نام — سید جلال الدین عمری — 30

حکمت نبوی ﷺ

زبان کی اہمیت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 41

علوم القرآن

حقیقت ومجازِ قرآن — حافظ محمد زبیر — 45

پیش رفت

روداد تقریب تقسیم اسناد — فاروق احمد — 57

کتاب نما

تعارف وتبصرۂ کتب — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 59

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:

حافظ عاطف وحید۔ حافظ محمد زبیر

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۶ | صفر المظفر ۱۴۲۸ھ - مارچ ۲۰۰۷ء | شمارہ ۳

کے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرتعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے

انڈیا 700 روپے۔ ایشیا یورپ افریقہ 1100 روپے۔ امریکہ کینیڈا آسٹریلیا 1400 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام رساں؟

یہ نظریہ آج کل وبا کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے کہ ''دین میں حجت صرف قرآن ہے اور رسول کا کام بس ایک پیغام رساں کا ہے''۔ گویا رسول کا قول و فعل دینی حجت نہیں ہے اور احادیثِ نبویؐ پر کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس قول کے حاملین میں سے بعض نے قدرے ''رعایت'' سے کام لیتے ہوئے حدیث اور سنت متواترہ میں اس لحاظ سے فرق تسلیم کیا ہے کہ سنت متواترہ تو حجت ہے لیکن حدیث نہیں' اور اس طور سے یہ حضرات لگ بھگ دو در جن اقوال و افعالِ نبویؐ کو سعتِ متواترہ کی سند دے کر کسی نہ کسی طریقے سے سنت کے انکار کی تہمت سر سے اُتارتے نظر آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسے افراد کو ہم نے بچشم سر دیکھا نہ ہوتا اور ان کی بے باکانہ گفتگو کو سنا نہ ہوتا تو شاید ہم کبھی اس بات کا یقین نہ کرتے۔ اس لیے کہ حضرت محمد ﷺ کو نبی اور رسول مان کر آپؐ کی تعلیمات' فرمودات اور آپؐ کے اسوہ کو حجت اور واجب الاتباع نہ ماننا ایک ایسی غیر معقول بات ہے کہ کسی سمجھدار آدمی سے اس کی توقع بھی کرنا بہت مشکل ہے۔

حجیتِ حدیث سے انکار کے عارضہ کے اصل اسباب کیا ہیں' اس پر تفصیلی تحریریں موجود ہیں' لیکن ہم یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ مبذول کروانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہماری دانست میں ایسے افکار کے حامل لوگ اگر مقامِ نبوت کو سمجھنے اور سنت و حدیث کی دین میں اہمیت جاننے کے لیے اخلاصِ نیت کے ساتھ صرف قرآن ہی میں غور و فکر کریں تو یہ بات اُن پر عیاں ہو جائے گی کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغام رساں کی نہیں' بلکہ آپؐ کو اللہ نے' از روئے قرآن' مطاع' متبوع' امام' ہادی' قاضی' حکم اور حاکم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن کے صریح بیانات تو آپ ﷺ کی متذکرہ بالا حیثیتوں کی تعیین میں نصِ قطعی کا درجہ رکھتے ہوں لیکن آپ کا اسوہ' اوامر و نواہی اور اقوال و اعمال کو واجب التسلیم اور حجت نہ مانا جائے..... یا للعجب!

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۱۲۴ تا ۱۲۹

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾﴾

سورۃ البقرۃ کے ابتدائی اٹھارہ رکوعوں میں روئے سخن مجموعی طور پر سابقہ اُمت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ ابتدائی چار رکوع اگرچہ عمومی نوعیت کے حامل ہیں' لیکن ان میں بھی یہود کی طرف روئے سخن کے اشارے موجود ہیں۔ چوتھے رکوع کے آغاز سے پندرہویں رکوع کی ابتدائی دو آیات تک' ان دس رکوعوں میں ساری گفتگو صراحت کے ساتھ بنی اسرائیل

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۱۲۴ تا ۱۲۹

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾﴾

سورۃ البقرۃ کے ابتدائی اٹھارہ رکوعوں میں روئے سخن مجموعی طور پر سابقہ اُمت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ ابتدائی چار رکوع اگرچہ عمومی نوعیت کے حامل ہیں' لیکن ان میں بھی یہود کی طرف روئے سخن کے اشارے موجود ہیں۔ چوتھے رکوع کے آغاز سے پندرہویں رکوع کی ابتدائی دو آیات تک' ان دس رکوعوں میں ساری گفتگو صراحت کے ساتھ بنی اسرائیل

ہی سے ہے' اِلّا یہ کہ ایک جگہ اہل ایمان سے خطاب کیا گیا اور کچھ مشرکین مکہ کا بھی تعریض کے اسلوب میں تذکرہ ہو گیا۔

اس کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل دو شاخیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے' جو بڑے تھے' جبکہ دوسری بیوی حضرت سارہ سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام تھے' جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے۔ حضرت اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کے پاس' وادیٔ غیر ذی زرع میں آباد کیا تھا' جن سے ایک نسل بنی اسماعیل چلی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد نبوت حضرت اسماعیلؑ کو تو ملی' لیکن اُس کے بعد تقریباً تین ہزار سال کا فصل ہے کہ اس شاخ میں کوئی نبوت نہیں آئی۔ نبوت کا سلسلہ دوسری شاخ میں چلا۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب اور ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہم السلام سب نبی تھے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام تک چودہ سو برس مسلسل ایسے ہیں کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا تار ٹوٹا ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک تیسری شاخ بنی قطورہ بھی تھی۔ یہ آپؑ کی تیسری اہلیہ قطورہ سے تھی۔ ان ہی میں سے بنی مدین (یا بنی مدیان) تھے' جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔ اس طرح حضرت شعیبؑ بھی حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد بنی اسماعیل میں نبوت کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہاں تک کہ تقریباً تین ہزار سال بعد محمد عربی ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد امامت الناس سابقہ اُمتِ مسلمہ (بنی اسرائیل) سے موجودہ اُمت مسلمہ (اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو منتقل ہو گئی۔ اس انتقالِ امامت کے وقت بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے ان کے اور بنی اسماعیل کے مابین قدر مشترک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے لیے بات کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے جدِ امجد بھی ابراہیم علیہ السلام ہی تھے اور یہ دوسری نسل بھی ابراہیم علیہ السلام ہی کی ہے۔ اس حوالے سے یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اب اسے اہل توحید کا مرکز بنایا جا رہا ہے' چنانچہ پندرہویں رکوع سے اٹھارہویں رکوع تک یہ ساری گفتگو جو ہو رہی ہے اس کا اصل مضمون ''تحویلِ قبلہ'' ہے۔

آیت ۱۲۴ ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ﴾ ''اور ذرا یاد کرو جب ابراہیمؑ کو آزمایا اُس کے رب نے بہت سی باتوں میں تو اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔''

''عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی'' کے عنوان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت پر میرا ایک کتابچہ ہے جو میری ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل ہے۔ تحریر کا عنوان ہے: ''حج اور عید الاضحیٰ اور اُن کی اصل روح''۔ اپنی یہ تحریر مجھے بہت پسند ہے۔ اس میں مَیں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتحانات اور آزمائشوں کا ذکر کیا ہے۔ آپؑ کے طویل سفر حیات کا خلاصہ اور لبِ لباب ہی ''امتحان و آزمائش'' ہے' جس کے لیے قرآن کی اصطلاح ''ابتلاء'' ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ان کی پوری داستانِ ابتلاء کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے' اور ''فَاَتَمَّهُنَّ'' کا لفظ ان تمام امتحانات کا نتیجہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ان سب میں پورا اُترے' ان سب میں پاس ہو گئے' ہر امتحان میں نمایاں حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔

﴿قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾ ''تب فرمایا: (اے ابراہیمؑ!) اب میں تمہیں نوعِ انسانی کا امام بنانے والا ہوں!''

﴿قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا: اور میری اولاد میں سے بھی!''

یعنی میری نسل کے بارے میں بھی یہ وعدہ ہے یا نہیں؟

﴿قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''فرمایا: میرا یہ عہد ظالموں سے متعلق نہیں ہوگا۔''

یعنی تمہاری نسل میں سے جو صاحبِ ایمان ہوں گے' نیک ہوں گے' سیدھے راستے پر چلیں گے' اُن سے متعلق ہمارا یہ وعدہ ہے۔ لیکن یہ عہد نسلیت کی بنیاد پر نہیں ہے کہ جو بھی تمہاری نسل سے ہو وہ اس کا مصداق بن جائے۔

آیت ۱۲۵ ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر (بیت اللہ) کو قرار دے دیا لوگوں کے لیے اجتماع (اور زیارت) کی جگہ اور اُسے امن کا گھر قرار دے دیا۔''

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ﴾ ''اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیمؑ

کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔''

دورِ جدید کے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مقامِ ابراہیمؑ سے مراد کوئی خاص پتھر نہیں ہے' بلکہ اصل میں وہ پوری جگہ ہی ''مقامِ ابراہیم'' ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام آباد ہوئے تھے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہمارے سلف سے چلی آ رہی ہے اور اس کے بارے میں پختہ روایات ہیں کہ جس طرح حجرِ اسود جنت سے آیا تھا ایسے ہی یہ بھی ایک پتھر تھا جو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے لیے جنت سے لایا گیا تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران آپؑ اس پر کھڑے ہوتے تھے اور جیسے جیسے تعمیر اُوپر جا رہی تھی اُس کے لیے یہ پتھر خود بخود اُونچا ہوتا جاتا تھا۔ اس پتھر پر آپؑ کے قدموں کا نشان ہے۔ یہی پتھر ''مقامِ ابراہیم'' ہے جو اَب بھی محفوظ ہے۔ بیت اللہ کا طواف مکمل کر کے اس کے قریب دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿١٢٥﴾﴾ ''اور ہم نے حکم کیا تھا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو کہ تم دونوں میرے اس گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔''

اس سے دونوں طرح کی تطہیر مراد ہے۔ ظاہری صفائی بھی ہو' گندگی نہ ہو' تاکہ زائرین آئیں تو ان کے دلوں میں کدورت پیدا نہ ہو' انہیں کوفت نہ ہو۔ اور تطہیرِ باطنی کا بھی اہتمام ہو کہ وہاں توحید کا چرچا ہو' کسی طرح کا کوئی کفر و شرک در نہ آنے پائے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے دعا کی تھی: اے میرے پروردگار! اس گھر کو امن کی جگہ بنا دے''

﴿وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اور یہاں آباد ہونے والوں (یعنی بنی اسماعیلؑ) کو پھلوں کا رزق عطا کر' جو کوئی ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر۔''

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ہی احتیاط برتی اور اپنی ساری اولاد کے لیے یہ دعا نہیں کی' بلکہ صرف ان کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس لیے کہ پہلی دعا میں ''وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ'' کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٢٤﴾﴾ لیکن یہاں معاملہ مختلف نظر آتا ہے۔

﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (تمہاری اولاد میں سے) جو کفر کرے گا تو اُس کو بھی میں دُنیا کی چند روزہ زندگی کا ساز و سامان تو دوں گا''

جو لوگ ایمان سے محروم ہوں گے انہیں میں امامت میں شامل نہیں کر سکتا' لیکن بہر حال دُنیوی زندگی کا مال و متاع تو میں اُن کو بھی دوں گا۔

﴿ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ﴾ ''پھر اُسے کشاں کشاں لے آؤں گا جہنم کے عذاب کی طرف۔''

﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝﴾ ''اور وہ بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ ''اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہمارے گھر کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔''

باپ بیٹا دونوں بیت اللہ کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ یہاں لفظ ''قَوَاعِدَ'' جو آیا ہے اسے نوٹ کیجیے' یہ ''قاعدہ'' کی جمع ہے اور بنیادوں کو کہا جاتا ہے۔ اس لفظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کے اصل معمار اور بانی نہیں ہیں۔ کعبہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ سورۂ آل عمران (آیت ۹۶) میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ﴾ ''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا یہی ہے جو مکہ میں ہے''۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرتِ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک' کم و بیش چار ہزار برس کے دوران' روئے ارضی پر کوئی مسجد تعمیر نہ ہوئی ہو؟ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا سب سے پہلا گھر یہی کعبہ تھا۔ امتدادِ زمانہ سے اس کی صرف بنیادیں باقی رہ گئی تھیں' اور چونکہ یہ وادی میں واقع تھا جو سیلاب کا راستہ تھا' لہٰذا سیلاب کی وجہ سے اس کی سب دیواریں بہہ گئی تھیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے ان بنیادوں کو پھر سے اٹھایا۔ سورۃ الحج میں یہ مضمون تفصیل سے آیا ہے۔

جب وہ ان بنیادوں کو اٹھا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے تھے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے۔''

ہماری اس کوشش اور ہماری اس محنت و مشقت کو قبول فرما! جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اُس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر لگ بھگ تیرہ برس تھی' آپؑ اس کام میں اپنے والد محترم کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ ''یقیناً تو سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۲۸ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ﴾ ''اور اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مطیع فرمان بنائے رکھ''

نوٹ کیجیے' یہ دعا ابراہیم علیہ السلام کر رہے ہیں۔ تو میں اور آپ اگر اپنے بارے میں مطمئن ہو جائیں کہ میری موت لازماً حق پر ہوگی' اسلام پر ہوگی تو یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ چنانچہ ڈرتے رہنا چاہیے اور اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنا چاہیے۔

﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾ ''اور ہم دونوں کی نسل سے ایک اُمت اٹھائیو جو تیری فرماں بردار ہو۔''

﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ ''اور ہمیں حج کرنے کے قاعدے بتلا دے''

اے پروردگار! تیرا یہ گھر تو ہم نے بنا دیا' اب اس کی زیارت سے متعلق جو رسومات ہیں' جو مناسک حج ہیں وہ ہمیں سکھا دے۔

﴿وَتُبْ عَلَيْنَا ﴾ ''اور ہم پر اپنی توجہ فرما'' ہم پر اپنی شفقت کی نظر فرما۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''یقیناً تو ہی ہے بہت ہی زیادہ توبہ کا قبول فرمانے والا (اور شفقت کے ساتھ رجوع کرنے والا) اور رحم فرمانے والا۔''

آیت ۱۲۹ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ ''اور اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں اٹھائیو ایک رسول خود انہی میں سے''

فِيْهِمْ سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسل یعنی بنی اسماعیل مراد ہے۔ وہ دونوں دعا کر رہے تھے کہ پروردگار! ہماری اس نسل میں ایک رسول مبعوث فرمانا جو انہی میں سے ہو' باہر کا نہ ہو' تاکہ ان کے اور اس کے درمیان مغائرت اور اجنبیت کا کوئی پردہ حائل نہ ہو۔

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ﴾ ''جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے''

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ''اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے''

کتاب کا صرف پڑھ کر سنا دینا تو بہت آسان کام ہے۔ اس کے بعد کتاب اور اس میں موجود حکمت کی تعلیم دینا اور اسے دلوں میں بٹھانا اہم تر ہے۔

﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ ''اور ان کو پاک کرے۔''
اُن کا تزکیہ کرے اور اُن کے دلوں میں تیری محبت اور آخرت کی طلب کے سوا کوئی طلب باقی نہ رہنے دے۔
﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ ''یقیناً تو ہی ہے زبردست اور کمال حکمت والا۔''

آیات ۱۳۰ تا ۱۴۱

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

آیت ۱۳۰ ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾ ''اور کون ہوگا جو ابراہیمؑ کے طریقے سے مُنہ موڑے؟''

رغبت کا لفظ عربی زبان میں دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ''رَغِبَ اِلٰی'' کا مفہوم ہے کسی شے کی طرف رغبت ہونا' محبت ہونا' میلان ہونا' جبکہ ''رَغِبَ عَنْ'' کا مطلب ہے کسی شے سے متنفر ہونا' کسی شے سے اِباء کرنا' اس کو چھوڑ دینا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) (۱) ''پس جسے میری سنت ناپسند ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہے''۔

﴿اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ﴾ ''سوائے اس کے جس نے اپنے آپ کو حماقت ہی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو!''

اس کے سوا اور کون ہوگا جو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے منہ موڑے؟

﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ﴾ ''اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی منتخب کر لیا تھا''

﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ ''اور یقیناً آخرت میں بھی وہ ہمارے صالح بندوں میں سے ہوں گے''۔

آیت ۱۳۱ ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ''جب بھی کہا اُس سے اُس کے پروردگار نے کہ مطیع فرمان ہو جا تو اُس نے کہا میں مطیع فرمان ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کا''۔

یہاں تک کہ اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم آیا تو اس پر بھی سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلۂ امتحانات کا آخری امتحان تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کا سو برس کی عمر میں لیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ مانگ کر ستاسی برس کی عمر میں بیٹا (اسماعیلؑ) لیا تھا اور اب وہ تیرہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب الترغیب فی النکاح۔ وصحیح مسلم' کتاب النکاح' باب استحباب النکاح.....

برس کا ہو چکا تھا' باپ کا دست و بازو بن گیا تھا۔ اُس وقت اسے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو آپؑ فوراً تیار ہو گئے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی ہم نے ابراہیمؑ سے کہا کہ ہمارا حکم مانو تو اُسے حکم برداری کے لیے سراپا تیار پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس طرزِ عمل کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آیت ۱۳۲ ﴿ وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ﴾ ''اور اسی کی وصیت کی تھی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی۔''

آگے وہ نصیحت بیان ہو رہی ہے:

﴿یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ﴾ ''اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے''

﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۳۲﴾ ''پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان!''

دیکھنا تمہیں موت نہ آنے پائے' مگر فرماں برداری کی حالت میں! یہی بات سورۂ آلِ عمران میں مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمائی گئی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے' مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ اور فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آیت ۱۹) ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے''۔ مزید فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آیت ۸۵) ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''۔

آیت ۱۳۳ ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ﴾ ''کیا تم اُس وقت موجود تھے جب آ دھمکی یعقوبؑ پر موت''

یعنی جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا۔ اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے سب بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے مصر میں پہنچ چکے تھے۔ یہ سارا واقعہ سورۂ یوسف میں بیان ہوا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال مصر میں ہوا۔ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے بارہ کے بارہ بیٹوں کو جمع کیا۔

﴿اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ﴾ ''جب کہا اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد؟''

کس کی پوجا کرو گے؟ کس کی پرستش کرو گے؟ یہ بات نہیں تھی کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ انہیں کس کی عبادت کرنی ہے' بلکہ آپؑ نے قول وقرار کو مزید پختہ کرنے کے لیے یہ انداز اختیار فرمایا۔

﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ ''انہوں نے کہا ہم بندگی کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء ابراہیمؑ' اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی''

﴿اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ ''وہی ایک معبود ہے''

﴿وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''اور ہم سب اُسی کے مطیع فرمان ہیں۔''

ہم اسی کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور اُسی کی فرماں برداری کا اقرار کرتے ہیں۔

آیت ۱۳۴ ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ ''یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔''

یہ آیت اس رکوع میں دو مرتبہ آئی ہے۔ یہ انسانوں کا ایک گروہ تھا جو گزر گیا۔ ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور ان کی اولاد سب گزر چکے۔

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ ''اُن کے لیے تھا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہوگا جو تم کماؤ گے۔''

یہاں ''پدرم سلطان بود'' کا دعویٰ کوئی مقام نہیں رکھتا۔ ہر شخص کے لیے اپنا ایمان' اپنا عمل اور اپنی کمائی ہی کام آئے گی۔

﴿وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے''۔ تم سے تو یہی پوچھا جائے گا کہ تم کیا کر کے لائے ہو؟ تمہارا باپ سلطان ہو گا' لیکن تم اپنی بات کرو کہ تم کیا ہو؟

اس پس منظر میں اب یہود کی خباثت کو نمایاں کیا جا رہا ہے کہ ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی وصیت تو یہ تھی' مگر اس وقت کے یہود و نصاریٰ کا کیا رویہ ہے۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف متحدہ محاذ بنا رکھا ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ ''اور وہ کہتے ہیں یا تو یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تو ہدایت پر ہو جاؤ گے۔''

﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا﴾ ''کہہ دیجیے نہیں' بلکہ ہم تو پیروی کریں گے

ابراہیمؑ کے طریقے کی بالکل یکسو ہو کر۔''

مِلَّةَ سے قبل فعل نَتَّبِعُ محذوف ہے۔ گویا: ''بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ''۔

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔''

اب مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ جو کچھ کہتے ہیں اس کے جواب میں تم یہ کہو:

آیت ۱۳۶ ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''کہو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر''

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ''اور جو کچھ نازل کیا گیا ہماری جانب''

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ''اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب کی طرف''

﴿وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى﴾ ''اور جو کچھ دیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو''

﴿وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور جو کچھ دیا گیا تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔''

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ''ہم اُن میں سے کسی کے مابین تفریق نہیں کرتے۔''

ہم سب کو مانتے ہیں، کسی کا انکار نہیں کرتے۔ ایک بات سمجھ لیجیے کہ ایک ہے ''تفضیل'' یعنی کسی ایک کو دوسرے سے زیادہ افضل سمجھنا، یہ اور بات ہے، اس کی نفی نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ ہی میں الفاظ آئے ہیں: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (آیت ۲۵۳) ''یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر''۔ جبکہ تفریق یہ ہے کہ ایک کو مانا جائے اور ایک کا انکار کر دیا جائے۔ اور رسولوں میں سے کسی ایک کا انکار گویا سب کا انکار ہے۔

﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''اور ہم اُسی کے مطیع فرمان ہیں۔''

ہم نے تو اُسی کی فرماں برداری کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا ہے۔

آیت ۱۳۷ ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ ''پھر (اے مسلمانو!) اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو''

یعنی وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی روش ترک کر دیں اور ٹھیک ٹھیک وہی دین اور وہی راستہ اختیار کریں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے تمہیں دیا گیا ہے۔

﴿فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ ''تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔''

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں''
﴿فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾ ''تو پھر وہی ہیں ضد پر۔''
اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہٹ دھرمی اور ضدم ضدا میں مبتلا ہو چکے ہیں اور دشمنی اور مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں۔
﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ کے لیے ان کے مقابلے میں اللہ کافی ہے۔''
آپ فکر نہ کریں' آپ مداہنت (compromise) کی کسی دعوت کی طرف توجہ ہی نہ کریں' کچھ دو کچھ لو کا معاملہ آپ بالکل بھی نہ سوچیں۔ آپ ان کی مخالفتوں سے مرعوب نہ ہوں اور ان کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حمایت کے لیے ان سب کے مقابلے میں کافی رہے گا۔
﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ''اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''
ایسا نہیں ہے کہ اُسے معلوم نہ ہو کہ آپ اس وقت کن حالات میں ہیں' کیسی مشکلات میں ہیں' کس طرح کی نازک صورت حال ہے جو دن بدن شکل بدل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے حالات میں آپ کا محافظ اور مددگار رہے۔
[حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کے وقت قرآن حکیم کے جس نسخے پر تلاوت فرما رہے تھے اُس میں ان الفاظ پر خون کا دھبہ آج بھی موجود ہے۔ باغیوں نے آپؓ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کیا تھا۔ آپؓ کی زوجہ محترمہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو بچانا چاہا تو اُن کی انگلیاں کٹ گئیں اور خون ان الفاظ پر پڑا۔]

آیت ۱۳۸ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ ''ہم نے تو اختیار کر لیا ہے اللہ کے رنگ کو۔''
''مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ'' کی طرح ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' میں بھی مضاف کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ مرکب اضافی مفعول ہے اور اس کا فعل محذوف ہے۔
﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ ''اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوگا؟''
﴿وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ ''اور ہم تو بس اُسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔''

آیت ۱۳۹ ﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ﴾ ''(اے نبی ﷺ ان سے) کہیے کیا تم ہم سے جھگڑ رہے ہو (دلیل بازی کر رہے ہو) اللہ کے بارے میں؟''

﴿وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ''حالانکہ وہی ہمارا ربّ بھی ہے اور تمہارا ربّ بھی۔''
ربّ بھی ایک ہے اور اس کا دین بھی ایک ہے' ہاں شریعتوں میں فرق ضرور رہا ہے۔
﴿وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ''اور ہمارے لیے ہوں گے ہمارے عمل اور تمہارے لیے ہوں گے تمہارے عمل۔''
﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ ''اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔'' ہم اُس کے لیے اپنے آپ کو اور اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں۔

یہاں پے در پے آنے والے تین الفاظ کو نوٹ کیجیے۔ یہ مقام میرے اور آپ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ آیت ۱۳۶ ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی: ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''ہم اُسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں''۔ ان میں تو ہم بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد آیت ۱۳۸ کے اختتام پر یہ الفاظ آئے: ﴿وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ ''اور ہم اس ہی کی بندگی کرتے ہیں''۔ صرف اسلام نہیں' عبادت یعنی پوری زندگی میں اُس کے ہر حکم کی پیروی اور اطاعت درکار ہے۔ اس سے آگے یہ بات آئی: ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ یہ عبادت اگر اخلاص کے ساتھ نہیں ہے تو منافقت ہے۔ اس عبادت سے کوئی دُنیوی منفعت پیشِ نظر نہ ہو۔ ع 'سودا گری نہیں' یہ عبادت خدا کی ہے!'' دین کو دنیا بنانے اور دنیا کمانے کا ذریعہ بنانے سے بڑھ کر گری ہوئی حرکت اور کوئی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ)) (مسند احمد)

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا' اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ و خیرات کیا اس نے شرک کیا۔''

ان تینوں الفاظ کو حرزِ جان بنا لیجیے: نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ' نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ' نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ـــــ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

آیت ۱۴۰ ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ ''کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟''

تم جو کہتے ہو کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تب ہدایت پاؤ گے' تو کیا ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی؟ اور اسحاق' یعقوب' یوسف' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کون تھے؟ یہی بات آج مسلمانوں کو سوچنی چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ دیوبندی تھے' بریلوی تھے' اہل حدیث تھے یا شیعہ تھے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ ان تقسیموں سے بالاتر رہا جائے۔ ٹھیک ہے ایک شخص کسی فقہی مسلک کی پیروی کر رہا ہے' لیکن اس مسلک کو اپنی شناخت بنا لینا' اسے دین پر مقدم رکھنا' اس مسلک ہی کے لیے ہے ساری محنت و مشقت اور بھاگ دوڑ کرنا' اور اُسی کی دعوت و تبلیغ کرنا' دین کی اصل حقیقت اور روح کے یکسر خلاف ہے۔

﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ ''کہیے: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟''

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ ''اور (کان کھول کر سن لو) اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی تھی جسے اس نے چھپا لیا؟''

علماء یہود جانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' جن کے وہ منتظر تھے۔ لیکن وہ اس گواہی کو چھپائے بیٹھے تھے۔

﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ ہرگز غافل نہیں ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو۔''

آیت ۱۴۱ ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ ''وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔''

یہ اس مقدس جماعت کے گل سرسبد تھے جن کا تذکرہ ہوا۔

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ ''ان کے لیے ہے جو کمائی انہوں نے کی اور تمہارے لیے ہے جو کمائی تم نے کی۔''

جو عمل انہوں نے کمائے وہ ان کے لیے ہیں' تمہارے لیے نہیں۔ تمہارے لیے وہی ہوگا جو تم کماؤ گے۔

﴿وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور تم سے اُن کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔''

تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا' تم سے تو یہ سوال ہوگا کہ تم نے کیا کیا!

❁ ❁ ❁

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۴۳

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْیَاھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾﴾

ء ل ف

اَلِفَ (س) **اَلْفًا** : مانوس ہونا‘ محبت کرنا۔

اَلَفَ (ض) **اَلْفًا** : جمع ہونا‘ ہم آہنگ ہونا۔

اٰلَفَ (افعال) **اِیْلَافًا**: کسی کو کسی سے مانوس کرنا۔ ﴿اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ﴿۲﴾﴾ (قریش) ''ان کو مانوس کرنا سردی اور گرمی کے سفر سے۔''

اَلَّفَ (تفعیل) **تَاْلِیْفًا** : مانوس کرنا‘ محبت پیدا کرنا‘ جمع کرنا۔ ﴿وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ؕ﴾ (الانفال:۶۳) ''اور اس نے محبت پیدا کی ان کے دلوں کے مابین۔'' ﴿اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ﴾ (النور:۴۳) ''کہ اللہ ہنکاتا ہے بادل کو پھر وہ اکٹھا کرتا ہے اس کو آپس میں۔''

مُؤَلَّفٌ (اسم المفعول) : جمع کیا ہوا‘ جوڑا ہوا۔ ﴿وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ﴾ (التوبۃ:۶۰)

''اور جوڑے ہوئے ہونے کے لیے ان کے دل۔''

اَلْفٌ ج اٰلَافٌ : ایک ہزار۔ ﴿وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ (الانفال:٦٦) ''اور اگر ہوں تم میں سے ایک ہزار تو وہ غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے اذن سے۔'' ﴿اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ﴾ (آل عمران:١٢٤) ''کہ مدد کرے تمہاری تمہارا ربّ تین ہزار فرشتوں سے۔''

اُلُوْفٌ (فُعُوْلٌ کے وزن پر جمع) : ہزاروں۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''اَلَمْ تَرَ'' کا فاعل ''تَرَ'' میں شامل ''اَنْتَ'' کی ضمیر ہے اور ''اَلَّذِیْنَ خَرَجُوْا'' اس کا مفعول ہے جبکہ ''مِنْ دِیَارِھِمْ'' متعلق فعل ہے۔ ''وَھُمْ اُلُوْفٌ'' کا واؤ حالیہ ہے ''ھُمْ'' مبتدا اور ''اُلُوْفٌ'' خبر ہے۔ ''لَمْ'' کی وجہ سے اس جملہ اسمیہ کا ترجمہ حال کے بجائے ماضی میں ہوگا۔ ''حَذَرَ الْمَوْتِ'' بھی متعلق فعل ہے اور ''اَلَّذِیْنَ خَرَجُوْا'' کا حال ہونے کی وجہ سے اس کا مضاف منصوب ہے۔

''ثُمَّ'' ترتیب کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے پہلے ''فَمَاتُوْا'' محذوف ہے جو کہ فعل امر ''مُوْتُوْا'' کا جواب امر ہے۔ ''اَحْیَا'' کا فاعل ''ھُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''اَللّٰہُ'' کے لیے ہے۔ ''ھُمْ'' ضمیر مفعولی ہے جو ''اَلَّذِیْنَ'' کے لیے ہے۔ ''لٰکِنَّ'' کا اسم ''اَکْثَرَ النَّاسِ'' ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے جبکہ جملہ فعلیہ ''لَا یَشْکُرُوْنَ'' خبر ہے۔

ترجمہ:

اَلَمْ تَرَ : کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	اِلَی الَّذِیْنَ : ان لوگوں (کی حالت) کی طرف جو
خَرَجُوْا : نکلے	مِنْ دِیَارِھِمْ : اپنے گھروں سے
وَ : اس حال میں کہ	ھُمْ اُلُوْفٌ : وہ ہزاروں تھے
حَذَرَ الْمَوْتِ : موت کا ڈر کرتے ہوئے	فَقَالَ : تو کہا
لَھُمُ : ان سے	اللّٰہُ : اللہ نے
مُوْتُوْا : تم لوگ مر جاؤ (تو وہ مر گئے)	ثُمَّ اَحْیَاھُمْ : پھر اس نے زندہ کیا ان کو
اِنَّ اللّٰہَ : بے شک اللہ	لَذُوْ فَضْلٍ : فضل والا ہے
عَلَی النَّاسِ : لوگوں پر	وَلٰکِنَّ : اور لیکن

اَکْثَرَ النَّاسِ :لوگوں کی اکثریت لَا یَشْکُرُوْنَ :شکر نہیں کرتی ہے

نوٹ (۱) : ''رَءٰی۔ یَرٰی'' کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔اور جب ''اِلٰی'' کے صلہ کے ساتھ آئے تو اس میں اس کے مفعول کی حالت پر غور کرنے اور اسے سمجھنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ ترجمہ میں اسے ظاہر کیا گیا ہے۔

نوٹ (۲) : یہ بنی اسرائیل کی ایک بستی کا واقعہ ہے جہاں کوئی وبا پھوٹ پڑی تھی۔اس سے بچنے کے لیے یہ لوگ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے جہاں انہیں موت آ گئی۔پھر ایک نبی کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے۔

آیت ۲۴۴

﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾

ترجمہ:

وَقَاتِلُوْا :اور تم لوگ قتال کرو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ :اللہ کی راہ میں

وَاعْلَمُوْٓا :اور جان لو اَنَّ :کہ

اللّٰهَ :اللہ سَمِیْعٌ :سننے والا ہے

عَلِیْمٌ :جاننے والا ہے

نوٹ (۱) : مادہ ''ق ت ل'' سے فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ''قَاتِلٌ'' بنتا ہے۔اس کی جمع ''قَاتِلُوْنَ'' سے جب نونِ اعرابی گرتا ہے تو ''قَاتِلُوْ'' استعمال ہوتا ہے یعنی واو الجمع کے الف کے بغیر۔اور باب مفاعلہ سے اس کا فعلِ امر ''قَاتِلْ'' بنتا ہے جس کی جمع ''قَاتِلُوْا'' ہے۔ اس طرح دونوں میں فرق صرف واو الجمع کے الف کا ہے۔اسی لیے ''قَاتِلُو الْمُشْرِکِیْنَ'' کا ترجمہ ہوگا ''مشرکوں کو قتل کرنے والے''۔جبکہ ''قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ'' کا ترجمہ ہوگا ''تم لوگ جنگ کرو مشرکوں سے''۔

نوٹ (۲) :اس آیت میں گزشتہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جب موت سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے تو پھر موت کے ڈر سے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے جی چرانا حماقت بھی ہے اور محرومی بھی۔

آیت ۲۴۵

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ۭ وَاللّٰهُ

يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ق ر ض

قَرَضَ (ض) قَرْضًا : (۱) کسی سے بچتے ہوئے گزر جانا' کترا جانا۔ (۲) کسی کو بدلہ دینا۔ ﴿وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (الکھف:۱۷) ''اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو وہ کترا جاتا ہے ان سے بائیں طرف۔''

قَرْضٌ (اسم ذات) : اُدھار' قرض۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَقْرَضَ (افعال) اِقْرَاضًا : کسی کو ادھار دینا۔ قرض دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَقْرِضْ (فعل امر) : تو قرض دے۔ ﴿وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ﴾ (المزمل:۲۰) ''اور تم لوگ قرض دو اللہ کو خوبصورت قرضہ۔''

ض ع ف

ضَعَفَ (ف) ضَعْفًا : کسی چیز کو زیادہ کرنا۔

ضَعُفَ (ک) ضَعَافَةً : کمزور ہونا۔ ﴿وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ﴾ (آل عمران:۱٤٦) ''اور وہ لوگ نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے۔''

اَضْعَفُ (افعل التفضیل) : زیادہ کمزور۔ ﴿مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾﴾ (مریم) ''کون زیادہ برا ہے بلحاظ مقام کے اور زیادہ کمزور ہے بلحاظ فوج کے۔''

ضَعِيْفٌ ج ضِعَافٌ اور ضُعَفَاءُ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : کمزور۔ ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾ (النساء) ''اور پیدا کیا گیا انسان کو کمزور۔'' ﴿لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا﴾ (النساء:۹) ''اگر وہ لوگ چھوڑیں اپنے پیچھے کچھ کمزور اولادیں۔'' ﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ (ابراھیم:۲۱) ''تو کہیں گے کمزور لوگ ان سے جنہوں نے بڑائی چاہی۔''

ضَعْفٌ اور ضُعْفٌ (اسم ذات) : کمزوری۔ ﴿وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ﴾ (الانفال:٦٦) ''اور اس نے جانا کہ تم لوگوں میں کچھ کمزوری ہے۔'' ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ (الروم:٥٤) ''اللہ ہے جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو کمزوری سے۔''

ضِعْفٌ ج اَضْعَافٌ : دوگنا (واحد لفظ ضِعْفٌ بھی دوگنے کے لیے آتا ہے اور اس کا تثنیہ ضِعْفَيْنِ بھی آتا ہے) ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ﴾

(الاعراف:۳۸) ''اے ہمارے ربّ! ان لوگوں نے بہکایا ہم کو پس تو دے ان کو دوگنا عذاب آگ میں سے۔'' ﴿رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (الاحزاب:٦٨) ''اے ہمارے ربّ! تو دے ان کو دوگنا عذاب میں سے۔'' جمع آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

اَضْعَفَ (افعال) اِضْعَافًا: زیادہ کرنا' بڑھانا۔

مُضْعِفٌ (اسم الفاعل): زیادہ کرنے والا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ (الروم) ''تو وہ لوگ ہی بڑھانے والے ہیں۔''

ضَاعَفَ (مفاعلہ) مُضَاعَفَةً: گنوں میں بڑھانا' multiply کرنا' ضرب دے کر بڑھانا۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ:۲٦۱) ''اور اللہ ضرب دے کر بڑھاتا ہے اس کے لیے جس کے لیے وہ چاہتا ہے۔''

اِسْتَضْعَفَ (استفعال) اِسْتِضْعَافًا: کسی کو کمزور سمجھنا۔ ﴿اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ﴾ (الاعراف:۱۵۰) ''بے شک قوم نے کمزور سمجھا مجھ کو۔''

مُسْتَضْعَفٌ (اسم المفعول): صفت کے طور پر آتا ہے' کمزور سمجھا ہوا یعنی کمزور۔ ﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ (النساء:۹۷) ''ان لوگوں نے کہا ہم لوگ تھے کمزور زمین میں۔''

ق ب ض

قَبَضَ (ض) قَبْضًا: کسی چیز کو پنجے سے پکڑنا۔ (۱) پکڑنا' قبضے میں لینا۔ (۲) سمیٹنا' سکیڑنا۔ ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ (طٰہٰ:۹٦) ''تو میں نے پکڑا ایک مٹھی بھر فرشتے کے نشان سے۔'' ﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا﴾ (الفرقان) ''پھر ہم نے سمیٹا اس کو اپنی طرف' آسان سمیٹنا۔''

قَبْضَةٌ (اسم ذات): مٹھی۔ ﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الزمر:٦٧) ''اور زمین کُل کی کُل اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن۔''

مَقْبُوْضَةٌ (اسم المفعول): قبضہ میں لیا ہوا' پکڑا ہوا۔ ﴿وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ (البقرۃ:۲۸۳) ''اور تم لوگ نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو رہن ہے قبضہ میں لیا ہوا۔''

ب س ط

بَسَطَ (ن) بَسْطًا: کسی چیز کو پھیلانا' کشادہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

بَاسِطٌ (اسم الفاعل) : پھیلانے والا۔ ﴿مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ﴾ (المائدۃ:۲۸) ''میں پھیلانے والا نہیں ہوں اپنا ہاتھ تیری طرف کہ میں قتل کروں تجھ کو۔''

مَبْسُوْطٌ (اسم المفعول) : پھیلایا ہوا۔ ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (المائدۃ:٦٤) ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھولے ہوئے ہیں۔''

بَسْطَةٌ (اسم ذات) : پھیلاؤ' کشادگی۔ ﴿وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (البقرۃ:٢٤٧) ''اور اس نے زیادہ کیا اس کو بلحاظ کشادگی' علم میں اور جسم میں۔''

بِسَاطٌ (اسم ذات) : پھیلائی ہوئی چیز' بچھونا' فرش۔ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا﴾ (نوح) ''اور اللہ نے بنایا تم لوگوں کے لیے زمین کو ایک بچھونا۔''

ترکیب : ''مَنْ'' استفہامیہ ہے اور مبتدأ ہے۔ ''ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ'' صلہ موصول مل کر اس کی خبر ہے۔ ''يُقْرِضُ'' کا مفعول ''اللّٰهَ'' ہے' جبکہ ''قَرْضًا حَسَنًا'' مفعول مطلق ہے۔ ''فَيُضٰعِفَهٗ'' کا ''فَ'' سببیہ ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ مضارع کو نصب دیتا ہے۔ اسی لیے ''يُضٰعِفَ'' منصوب آیا ہے۔ اس میں ''هٗ'' کی ضمیر ''قَرْضًا حَسَنًا'' کے لیے ہے' جبکہ ''لَهٗ'' کی ضمیر ''مَنْ ذَا الَّذِيْ'' کے لیے ہے ''اَضْعَافًا كَثِيْرَةً'' تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''يَبْصُطُ'' کے بعد ''الرِّزْقَ'' محذوف ہے۔ ثلاثی مجرد کے مضارع مجہول کا وزن ''يُفْعَلُ'' ہے' اور باب افعال کے مضارع مجہول کا بھی یہی وزن ہے۔ یہاں ''تُرْجَعُوْنَ'' ثلاثی کا مضارع مجہول ہے' کیونکہ مادہ ''ر ج ع'' باب افعال سے نہیں آتا۔

ترجمہ:

مَنْ ذَا الَّذِيْ : کون ہے وہ جو	يُقْرِضُ : قرضہ دے
اللّٰهَ : اللہ کو	قَرْضًا حَسَنًا : ایک خوبصورت قرض
فَيُضٰعِفَهٗ : اس سبب سے وہ ضرب دے کر بڑھائے اس کو	لَهٗ : اس کے لیے
اَضْعَافًا كَثِيْرَةً : کئی گنا	وَاللّٰهُ : اور اللہ
يَقْبِضُ : سکیڑتا ہے	وَيَبْصُطُ : اور کشادہ کرتا ہے (رزق کو)
وَاِلَيْهِ : اور اس کی طرف ہی	تُرْجَعُوْنَ : تم لوگ لوٹائے جاؤ گے

نوٹ (۱): جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کھجور کے

دو باغوں کا مالک ہوں۔ اس کے علاوہ میری ملک میں کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک اللہ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل و عیال کی معاشی ضرورت کے لیے باقی رکھو۔ تو ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان دونوں میں سے اچھا باغ جس میں چھ سو درخت ہیں' اس کو میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ (معارف القرآن)

آیت ۲۴۶

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾ ﴾

م ل ء

مَلَاَ (ف) مِلَاءَ ةً : کسی چیز کو کسی چیز سے بھر دینا۔ ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۸﴾﴾ (الاعراف) ''میں لازماً بھر دوں گا جہنم کو تم سب کے سب سے۔''

مَلُؤَ (ک) مَلَاءً : بھرا ہوا ہونا' دولت مند ہونا' رئیس یا سردار ہونا۔

مَالِئٌ (اسم الفاعل) : بھرنے والا۔ ﴿فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾ (الصّٰفّٰت) ''پس وہ لوگ کھانے والے ہیں اس سے تو وہ بھرنے والے ہیں اس سے پیٹوں کو۔''

مِلْءٌ : اتنی مقدار جس سے کوئی چیز بھر جائے۔ بھر۔ (جیسے گلاس بھر پانی۔ مَن بھر آٹا وغیرہ) ﴿فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا﴾ (آل عمران: ۹۱) ''تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان کے کسی ایک سے زمین بھر سونا۔''

مَلَاٌ (اسم جمع) : کسی قوم کے رئیسوں اور سرداروں کی جماعت۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِمْتَلَاَ (افتعال) اِمْتِلَاءً : کسی چیز کا کسی چیز سے بھر جانا۔ ﴿یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ﴾ (ق: ۳۰) ''جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر گئی؟''

ترکیب : ''اِذْ قَالُوْا'' کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''اَلْمَلَا'' کے لیے ہے۔ فعل امر ''اِبْعَثْ'' کا جواب امر ہونے کی وجہ سے ''نُقَاتِلْ'' مجزوم ہوا ہے۔ ''عَسَيْتُمْ'' میں ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر فعل مقاربہ ''عَسٰی'' کا اسم ہے اور ''اَلَّا تُقَاتِلُوْا'' اس کی خبر ہے جبکہ درمیان میں جملہ شرطیہ ہے۔ ''اَلَّا'' دراصل ''اَنْ لَا'' ہے۔ اس میں ''اَنْ'' کی وجہ سے ''تُقَاتِلُوْا'' منصوب ہوا ہے۔ جملہ شرطیہ میں ''كُتِبَ'' ماضی مجہول ہے اس لیے اس پر ''اِنْ'' کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور ''اَلْقِتَالُ'' اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ''مَا'' استفہامیہ ہے اور مبتدا ہے۔ ''لَنَا'' قائم مقام خبر ہے۔ ''وَقَدْ اُخْرِجْنَا'' کا واؤ حالیہ ہے۔ ''اَبْنَآئِنَا'' کے مضاف کی جر بتا رہی ہے کہ یہ ''دِيَارِنَا'' پر عطف ہے۔ ''لَمَّا'' حرف شرط ہے۔ ''كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ'' شرط ہے اور ''تَوَلَّوْا'' جواب شرط ہے۔ ''اِلَّا'' کی وجہ سے ''قَلِيْلًا'' منصوب ہوا ہے۔

ترجمہ:

اَلَمْ تَرَ : کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	اِلَى الْمَلَا : سرداروں (کی حالت) کی طرف
مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : بنی اسرائیل میں سے	مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى : موسیٰ کے بعد
اِذْ قَالُوْا : جب ان لوگوں نے کہا	لِنَبِيٍّ لَّهُمُ : اپنے ایک نبی سے
ابْعَثْ : تو بھیج (یعنی مقرر کر)	لَنَا : ہمارے لیے
مَلِكًا : ایک بادشاہ	نُّقَاتِلْ : تو ہم قتال کریں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں	قَالَ : انہوں نے کہا
هَلْ عَسَيْتُمْ : کیا ہوسکتا ہے تم لوگوں سے	اِنْ : اگر
كُتِبَ : فرض کیا جائے	عَلَيْكُمُ : تم پر
الْقِتَالُ : قتال کو	اَلَّا تُقَاتِلُوْا : کہ تم لوگ قتال نہ کرو
قَالُوْا : انہوں نے کہا	وَمَا لَنَآ : اور ہمیں کیا ہے
اَلَّا نُقَاتِلَ : کہ ہم قتال نہ کریں	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں
وَ : (جب) حال یہ ہے کہ	قَدْ اُخْرِجْنَا : ہم نکالے گئے ہیں
مِنْ دِيَارِنَا : اپنے گھروں سے	وَاَبْنَآئِنَا : اور اپنے بیٹوں سے

فَلَمَّا : پھر جب	كُتِبَ : فرض کیا گیا
عَلَيْهِمُ : ان پر	الْقِتَالُ : قتال کو
تَوَلَّوْا : تو انہوں نے منہ موڑا	اِلَّا : مگر
قَلِيْلًا مِّنْهُمْ : ان میں سے تھوڑوں نے	وَاللّٰهُ : اور اللہ
عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے	بِالظّٰلِمِيْنَ : ظلم کرنے والوں کو

آیت ۲۴۷

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾﴾

ترکیب : ''بَعَثَ'' کا مفعول اوّل ''طَالُوْتَ'' ہے اور ''مَلِكًا'' مفعول ثانی ہے۔ ''يَكُوْنُ'' کا اسم ''الْمُلْكُ'' ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور ''لَهٗ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''يُؤْتَ'' کا نائب فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''طَالُوْتَ'' کے لیے ہے' جبکہ ''سَعَةً'' مفعول ثانی ہے۔ ''زَادَ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''اللّٰهَ'' کے لیے ہے' اس کا مفعول ''هٗ'' کی ضمیر ہے جو ''طَالُوْتَ'' کے لیے ہے' جبکہ ''بَسْطَةً'' تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

وَقَالَ : اور کہا	لَهُمْ : ان سے
نَبِيُّهُمْ : ان کے نبی نے	اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ نے
قَدْ بَعَثَ : مقرر کیا ہے	لَكُمْ : تمہارے لیے
طَالُوْتَ : طالوت کو	مَلِكًا : بادشاہ
قَالُوْا : انہوں نے کہا	اَنّٰى : کہاں سے
يَكُوْنُ : ہوگی	لَهُ : اس کے لیے
الْمُلْكُ : بادشاہت	عَلَيْنَا : ہم پر

وَ : حالانکہ	نَحْنُ : ہم
اَحَقُّ : زیادہ حق دار ہیں	بِالْمُلْكِ : بادشاہت کے
مِنْهُ : اس سے	وَلَمْ يُؤْتَ : اور اس کو دی ہی نہیں گئی
سَعَةً : کوئی وسعت	مِّنَ الْمَالِ : مال میں سے
قَالَ : (نبی نے) کہا	اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ نے
اصْطَفٰهُ : ترجیح دی اس کو	عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
وَزَادَهٗ : اور اس نے زیادہ کیا اس کو	بَسْطَةً : بلحاظ کشادگی
فِي الْعِلْمِ : علم میں	وَالْجِسْمِ : اور جسم میں
وَاللّٰهُ : اور اللہ	يُؤْتِيْ : دیتا ہے
مُلْكَهٗ : اپنا ملک	مَنْ : اس کو جس کو
يَشَآءُ : وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ : اور اللہ
وَاسِعٌ : وسعت دینے والا ہے	عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے

نوٹ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا یہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ آیت ۲۴۶ سے شروع ہوا ہے۔ اس طرح یہ قصہ آج سے تقریباً سوا تین ہزار سال پہلے کا ہے۔ آیت زیر مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اُس وقت بھی لوگ انسانوں کو ان کے مال و دولت سے ناپتے تھے۔ حالانکہ کسی انسان کی شخصیت اور کردار کی اساس مال و دولت نہیں' بلکہ اس کی جسمانی اور ذہنی صحت ہے۔ اس آیت میں ذہنی صحت کو علم کی کشادگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم کے بغیر دولت مل جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی بندر کے ہاتھ چھچھوندر لگ جائے۔ ہمارا موجودہ معاشرہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آیت ۲۴۸

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

ت ب ت

(x) : اس مادہ سے کسی باب میں کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔

تَابُوْتٌ (اسم ذات) : صندوق۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ب ق ی

بَقِیَ (س) بَقَاءً :(۱) ہمیشہ رہنا' (۲) باقی رہنا' باقی بچنا' دیر پا ہونا۔﴿وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:۲۷) ''اور ہمیشہ رہے گا تیرے رب کا چہرہ یعنی اس کی ذات۔''﴿وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ (البقرة:۲۷۸) ''اور تم لوگ چھوڑ دو اس کو جو باقی بچا سود میں سے۔''

بَاقٍ (اسم الفاعل) : باقی رہنے والا۔﴿مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (النحل:۹۶) ''جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔''

اَبْقٰی (افعل التفضیل) : زیادہ باقی رہنے والا' زیادہ دیر پا۔﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی﴾ (طٰہٰ:۱۲۷) ''اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ شدید ہے اور زیادہ دیر پا ہے۔''

بَقِیَّةٌ (اسم نسبت) : باقی رہنے والی چیز' باقی ماندہ۔آیت زیرِ مطالعہ۔

اَبْقٰی (افعال) اِبْقَاءً : باقی رہنے دینا' باقی چھوڑنا۔﴿وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَا اَبْقٰی ﴿۵۱﴾﴾ (النجم) ''اور یہ کہ اس نے ہلاک کیا پہلی قومِ عاد کو' اور ثمود کو تو باقی نہیں چھوڑا۔''

ح م ل

حَمَلَ (ض) حَمْلاً : (۱) کسی چیز کو اپنے اوپر لادنا یعنی بوجھ اٹھانا۔﴿اِنِّیْ اَرٰىنِیْ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا﴾ (یوسف:۳۶) ''بے شک میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں اٹھاتا ہوں اپنے سر کے اوپر کچھ روٹی۔'' (۲) کسی چیز کو دوسرے پر لادنا یعنی بوجھ ڈالنا۔﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا﴾ (البقرة:۲۸۶) ''اے ہمارے رب! اور تو بوجھ نہ ڈال ہم پر۔'' (۳) کسی کو کسی چیز پر لادنا یعنی سوار کرنا یا سواری دینا۔﴿وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ﴾ (التوبة:۹۲) ''اور نہ ہی ان لوگوں پر (گناہ) ہے کہ جب وہ آئے آپؐ کے پاس تاکہ آپؐ ان کو سواری دیں تو آپؐ نے کہا کہ میں نہیں پاتا اس کو میں سوار کروں تم کو جس پر۔''

اِحْمِلْ (فعل امر) : تو بوجھ اٹھا' تو بوجھ ڈال۔﴿قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ (ھود:۴۰) ''ہم نے کہا آپؐ سوار کریں اس میں ہر چیز کے زوجین میں سے دو کو۔

حَامِلٌ (اسم الفاعل) : بوجھ اٹھانے والا۔﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (العنکبوت:۱۲) ''حالانکہ وہ لوگ اٹھانے والے نہیں ہیں ان کی خطاؤں میں سے

کچھ بھی۔''

حَمَّالٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : بار بار بوجھ اٹھانے والا' بوجھ ڈھونے والا۔ ﴿وَامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ (اللھب) ''اور اُس کی عورت' ایندھن ڈھونے والی۔''

حَمُوْلٌ (فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ) : بہت زیادہ بوجھ اٹھانے والا۔ ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ﴾ (الانعام:۱۴۲) ''اور مویشیوں میں کوئی بکثرت بوجھ اٹھانے والا اور کوئی بچھا ہوا۔''

حَمْلٌ ج اَحْمَالٌ (اسم ذات) : کسی مادہ کے پیٹ کا حمل۔ ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ﴾ (الطلاق:۴) ''اور حملوں والیاں' ان کی مدت ہے کہ وہ رکھ دیں اپنا حمل (یعنی بچہ پیدا ہو جائے۔)''

حِمْلٌ (اسم ذات) : بوجھ۔ ﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ﴾ (یوسف:۷۲) ''اور جو لائے گا اس کو' اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ ہے۔''

حَمَّلَ (تفعیل) تَحْمِيْلًا : (۱) کسی سے بوجھ اٹھوانا۔ (۲) کسی کے لیے کوئی چیز لازم کرنا۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اے ہمارے ربّ! اور تو ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا' طاقت نہیں ہے ہم میں جس کی۔'' ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ﴾ (النور:۵۴) ''پس کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اس پر ہے وہ جو لازم کیا گیا (اس پر) اور تم لوگوں پر ہے وہ جو تم پر لازم کیا گیا۔''

اِحْتَمَلَ (افتعال) اِحْتِمَالًا : اہتمام سے لادنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب) ''اور جو لوگ اذیت دیتے ہیں مؤمنوں کو اور مؤمنات کو بغیر اس کے جو انہوں نے کمایا' تو انہوں نے اپنے اوپر لادا ہے ایک بہتان اور ایک کھلا گناہ۔''

ترکیب : ''اٰيَةَ مُلْكِهٖ'' کی ضمیر طالوت کے لیے ہے اور یہ مرکب اضافی ''اِنَّ'' کا اسم ہے۔ اس لیے اس کا مضاف ''اٰيَةَ'' منصوب ہے۔ اور جملۂ فعلیہ ''اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ'' ''اِنَّ'' کی خبر ہے۔ ''سَكِيْنَةٌ'' اور ''بَقِيَّةٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہیں اور ان دونوں کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے۔ ''تَحْمِلُهُ'' کی ضمیر مفعولی ''التَّابُوْتُ'' کے لیے ہے' جبکہ ''اَلْمَلٰٓئِكَةُ'' اس کا فاعل ہے اور یہ پورا جملہ حال ہے۔ ''لَاٰيَةً'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے اور ''اِنَّ''

کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کی بھی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

وَقَالَ :اور کہا	لَهُمْ :ان سے
نَبِيُّهُمْ :ان کے نبی نے	اِنَّ :بے شک
اٰيَةَ مُلْكِهٖ :اس کی بادشاہت کی نشانی ہے	اَنْ :کہ
يَّاْتِيَكُمُ :آئے گا تمہارے پاس	التَّابُوْتُ :تابوت
فِيْهِ :اس میں	سَكِيْنَةٌ :اطمینان ہے
مِّنْ رَّبِّكُمْ :تمہارے رب (کی جانب) سے	وَبَقِيَّةٌ :اور باقی ماندہ ہے
مِّمَّا :اس میں سے جو	تَرَكَ :چھوڑا
اٰلُ مُوْسٰى :موسیٰؑ کے پیروکاروں نے	وَاٰلُ هٰرُوْنَ : اور ہارونؑ کے پیروکاروں نے
تَحْمِلُهُ :اٹھائے ہوئے ہوں گے اس کو	الْمَلٰٓئِكَةُ :فرشتے
اِنَّ :بے شک	فِيْ ذٰلِكَ : اس میں
لَاٰيَةً :ایک نشانی ہے	لَّكُمْ :تم لوگوں کے لیے
اِنْ :اگر	كُنْتُمْ :تم لوگ
مُّؤْمِنِيْنَ :ایمان لانے والے ہو	

نوٹ: ''سَكِيْنَةٌ'' کا لفظ قرآن مجید میں چھ مقامات پر آیا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں: آیت زیر مطالعہ التوبۃ: ۲۶۔۴۰ اور الفتح: ۴۔۱۸۔۲۶۔ ان مقامات کے مطالعہ سے مجموعی تأثر یہ ملتا ہے کہ یہ ایک خاص قلبی کیفیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہے۔ کیونکہ ہر مقام پر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے''

(رواہ البخاری، عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

قرآن کا پیغام انسانیت کے نام

مولانا سید جلال الدین عمری

جماعت اسلامی ہند کی جانب سے ہندی ترجمۂ قرآن کے آڈیو کیسٹ اور سی ڈی کی رسم اجراء کی تقریب میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے سکالرز بھی شریک ہوئے۔ اس موقع پر مولانا سید جلال الدین عمری (صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ) نے جو صدارتی خطاب فرمایا وہ ''تحقیقات اسلامی'' کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

قرآن حکیم ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس میں آسمان کی رفعت اور سمندر کی گہرائی پائی جاتی ہے، جس کی جڑیں پاتال تک پہنچی ہوئی ہیں اور جس کی شاخیں فضائے عالم میں لہرا رہی ہیں، جس میں بجلی کی چمک، بادل کی کڑک اور آفتاب و ماہتاب کی تابانی ہے۔ یہ وہ نورِ حیات ہے جس سے ہر طرح کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ اس کی تعریف وتوصیف میں جو کچھ بھی کہا جائے اور اس کی تعلیمات کی جتنی کچھ بھی توضیح کی جائے وہ اصل سے کم ہی ہوگی۔ اس کے بارے میں ہر تحقیق نئی تحقیق کا دروازہ کھولتی ہے۔ یہ گنجینۂ معارف ہے۔ یہ علم کی طلب پیدا کرتی اور اس کی پیاس بڑھاتی ہے۔

میں قرآن مجید کھولتا ہوں تو اس کی پہلی سورت (سورۃ الفاتحہ) سامنے آتی ہے۔ یہ سورت بتاتی ہے کہ اللہ کیا ہے، وہ کن صفات کا حامل اور کن خوبیوں کا مالک ہے! میرا اس سے کیا تعلق ہے، مجھے اس کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے! اس نے میری ہدایت کا کیا انتظام کیا ہے! کون لوگ ہیں جو اس کے انعام واکرام کے مستحق ہوں گے اور کون ہیں جو راہِ راست سے بھٹک گئے اور کون اس کے غیظ وغضب کا نشانہ بنیں گے! یعنی اس کے پہلے ہی صفحہ میں اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو جاتا ہے۔ میں اسے جان بھی جاتا ہوں اور اس سے میرا تعلق بھی قائم ہو جاتا ہے۔ میرا مطالعہ بہت محدود ہے لیکن میں نے ایسی کوئی کتاب نہیں دیکھی جس

میں سات مختصر جملوں یا سات آیات میں یہ پوری بات کہی گئی ہو۔

اس کے بعد قرآن مجید کا دوسرا صفحہ یا اس کی دوسری سورت الٓمٓ سے شروع ہوتی ہے' جسے آپ اس کا نام کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد کے الفاظ پوری شدت سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور مجھے رکنا اور سوچنا پڑتا ہے۔ اس کا آغاز ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ سے ہوا ہے' یعنی یہ کتاب جو تمہارے ہاتھ میں ہے' یہ کوئی عام کتاب نہیں ہے' یہ کسی دوست کا خط نہیں ہے' یہ کوئی افسانہ اور ناول نہیں ہے' یہ کسی دانشور کی عقلی تگ و تاز اور کسی اسکالر کی تحقیق نہیں ہے' بلکہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ ان دو لفظوں میں اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے لیے تمہاری فطرت بے چین ہے' جو تمہارے ہر سوال کا جواب دیتی' تمہارے الجھے ہوئے مسائل حل کرتی اور تمہیں راہِ ہدایت دکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا زمانہ دراز سے چرچا ہو رہا تھا اور خدا کے پیغمبر جس کا حوالہ دیتے آ رہے تھے۔ یہ الفاظ پڑھتے ہی میرے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے اور ذرا سنجیدگی سے غور کرتا ہوں تو جسم پر رعشہ طاری ہونے لگتا ہے۔

وہ آگے کہتا ہے: ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ کہ اس کے خدا کی کتاب ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ جو لوگ اس کے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کریں تو وہ چند ہی آیات کے بعد انہیں چیلنج کرتا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ خدا کی کتاب نہیں ہے' بلکہ محمد ﷺ کی داستان سرا ہے' وہ اپنے خیالات کو خدا کی طرف منسوب کر کے پیش کر رہے ہیں' تو تم بھی کوئی ایسی کتاب پیش کرو۔ تم اور تمہارے جھوٹے خدا سب مل کر ایسی کتاب دنیا کے سامنے لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ قرآن شریف نے پہلے ہی پارہ کے شروع میں جو چیلنج دیا' اسے بار بار اس نے دہرایا ہے۔ اس نے کہا چونکہ یہ انسان کی کتاب نہیں ہے اس لیے کوئی انسان اس کا جواب فراہم نہیں کر سکتا۔ دنیا میں کسی بھی مصنف اور محقق نے اپنی تصنیف اور تحقیق کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کی ہے اور نہ کر سکتا ہے کہ اس کی تحقیق لاجواب ہے' ایسی تحقیق کسی کے بس میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی کتاب کے بارے میں اس طرح کا چیلنج کرے۔ چنانچہ دنیا آج تک اس کا جواب فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ یہ اس کے من جانب اللہ ہونے کے بہت سے دلائل میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

اس سے آگے وہ کہتا ہے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ یعنی اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی اطاعت کا جذبہ ہو۔ وہ بعض

بنیادی باتوں کو مان کر اپنی زندگی سے اس کا ثبوت فراہم کرنے لگے تو قرآن پوری زندگی کے لیے راہِ ہدایت کھول دے گا اور انسان دن کی روشنی میں اپنا سفرِ حیات طے کر سکے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔ اگر جذبۂ صادق مفقود ہے اور ہدایت کی طلب نہیں ہے تو آدمی اس پر ریسرچ کر سکتا ہے، تحقیق کر سکتا ہے لیکن اس کے ذریعہ راہِ ہدایت نہ پا سکے گا۔ وہ ایک ہی جملہ میں اتنی بڑی بات کہتا ہے اور فیصلہ چاہتا ہے کہ اسے اللہ کی کتاب تم مان بھی رہے ہو یا نہیں، اس سے ہدایت کے طالب ہو یا نہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو آؤ میں تمہیں تقویٰ اور خدا ترسی کی راہ دکھاؤں۔

دنیا میں جو شخص کسی انقلاب کا داعی اور رہنما ہوتا ہے وہ کسی خاص قوم اور طبقہ کو خطاب کرتا ہے اور انقلاب کے لیے اسے تیار کرتا ہے۔ وہ مزدوروں یا سرمایہ داروں کو خطاب کرے گا، اس کا خطاب اونچی ذات والوں سے ہوگا یا وہ نیچی ذات والوں کو مخاطب بنائے گا۔ ہندوستان، ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ اور کسی بھی ملک کے باشندوں کو خطاب کرے گا۔ لیکن یہ وہ عظیم انقلابی کتاب ہے جو اپنے آغاز ہی میں سارے جہان کے انسانوں کو اپنا مخاطب بناتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس کا پیغام دنیا بھر کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ یہ عرب کے لیے بھی ہے، عجم کے لیے بھی، ایران کے لیے بھی ہے ہندوستان کے لیے بھی، روم کے لیے بھی ہے یونان کے لیے بھی، امریکہ کے لیے بھی ہے افریقہ کے لیے بھی، یورپ کے لیے بھی ہے اور ایشیا کے لیے بھی۔ یہ ہر ملک کے ہر طبقے کے لیے اور ہر انسان کے لیے ہے۔ ذرا اس کے ان الفاظ پر غور کیجیے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے لوگو! اپنے اس ربّ کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے کے لوگوں کو بھی، اُمید ہے کہ تم خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ گے۔''

یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ اگر یہ بات انسانوں کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اسے وہ قبول کر لیں کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے ہیں، اس خدا کے جس نے انہیں بھی پیدا کیا اور ان سے پہلے کے لوگوں کو بھی پیدا کیا، آدم سے لے کر آج تک جتنے بھی انسان پیدا ہوئے سب اس کی مخلوق اور وہ ان کا خالق ہے، اس بات کو مان کر اگر وہ اس کی عبادت اور فرماں برداری کی راہ اختیار کر لیں تو ان کی زندگی ضلالت اور گمراہی سے محفوظ ہو جائے گی،

ان کے اندر تقویٰ آ جائے گا' وہ نیکو کاروں کی زندگی گزار سکیں گے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ یہ کتنی بڑی حقیقت ہے جو قرآن نے بیان کی ہے!

قرآن کی عظمت کا ایک اور پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر قرآن اس دعویٰ کے ساتھ سامنے آتا کہ جو بات وہ کہتا ہے دنیا میں کسی نے نہیں کہی' اور جو تعلیمات وہ پیش کرتا ہے وہ کسی نے نہیں پیش کیں تو بھی بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ انسانوں میں دو ایک نہیں' لاکھوں کروڑوں' اربوں کھربوں انسان کہنے لگتے کہ قرآن سچ کہتا ہے اور اس کے دعویٰ پر ایمان لے آتے' لیکن کمال ہے قرآن کا' وہ کہتا ہے یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں پہلے بھی کہی جاتی رہی ہیں۔ ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کتاب کے پیش کرنے والے کوئی نئے رسول نہیں ہیں۔ جو پیغام ان کا ہے اسی پیغام کے ساتھ اور بھی پیغمبر آتے رہے ہیں۔

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ﴾

(الاحقاف:۹)

''(اے پیغمبرؐ!) آپ ان کو بتا دیں کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں' میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ (قیامت کے روز) کیا معاملہ ہوگا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا''۔

یہ بات ان الفاظ میں بھی کہی گئی ہے کہ:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران:۱۴۴)

''محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں''۔

دنیا میں کتنے رسول آئے اور کہاں کس دور میں آئے ہیں' اس کی تفصیل دشوار ہے' البتہ قرآن کہتا ہے کہ ہر قوم میں اللہ کے رسول آئے۔

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ﴾ (فاطر)

''اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے اندر ڈر سنانے والا (یعنی رسول) نہ گزرا ہو۔''

قرآن مجید میں ان میں سے صرف چند رسولوں کا ذکر ہوا ہے' سب کا نہیں۔

﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ﴾

(المؤمن:۷۸)

''اُن میں سے ہم نے کچھ پیغمبروں کا حال آپ سے بیان کیا ہے اور کچھ وہ بھی ہیں

جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ہے۔''

قرآن پورے زور سے کہتا ہے کہ جو دین آج محمد ﷺ پیش فرما رہے ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان خدا کا بندہ ہے اور سب کو اسی کی بندگی کرنی چاہیے' کسی بھی شخص کے لیے' چاہے وہ کسی بھی حیثیت میں ہو' کوئی بھی منصب رکھتا ہو' مرد ہو یا عورت' اس کی کوئی بھی جنس ہو' اس سے سرتابی جائز نہیں ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ان تمام نیک بندوں کی تعلیم رہی ہے جنہیں اس نے اپنے رسولوں کی حیثیت سے اپنی اپنی قوم میں مبعوث فرمایا۔ قرآن کا یہ تاریخی بیان اس قدر مبنی برحقیقت اور معقول ہے کہ کوئی بھی سمجھ دار انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا' اس لیے کہ اگر اس کائنات کا ایک خدا ہے اور اسی کی بندگی ہونی چاہیے تو یہی بات اس کے ہر پیغمبر نے لازماً کہی ہوگی۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری بات اس کی زبان سے نکل نہیں سکتی۔

اب آپ ایک سوال کرسکتے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر سارے پیغمبروں کی ایک ہی تعلیم تھی اور سب ایک ہی بات کہتے رہے ہیں تو محمد ﷺ کی بعثت کی کیا ضرورت تھی؟ اگر آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک سب نے ایک ہی بات کہی اور ایک ہی دین کی دعوت دی تو آخر محمد ﷺ کو رسول بنا کر کیوں بھیجا گیا؟ قرآن اس کا یہ جواب دیتا ہے اور بہت صراحت کے ساتھ دیتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی رسول آئے بے شک ان سب کا ایک ہی دین تھا اور ان کی تعلیمات بھی ایک ہی تھیں' لیکن وہ صحیح شکل میں محفوظ نہیں رہیں۔ قرآن کا یہ بیان ایک تاریخی حقیقت ہے جس کی تردید کی کوئی شخص جرأت نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید سے پہلے آسمانی کتابوں میں سب سے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی گئی تھی جسے عہد نامۂ جدید (New Testament) کہا جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی انجیل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے سنی گئی؟ کیا اس کے الفاظ وہی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ادا فرمائے تھے۔ آج تو خود عیسائی دنیا میں یہ بحث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان کون سی تھی اور جس زبان میں انہوں نے خطاب کیا تھا وہ اب بھی کوئی زندہ زبان ہے؟ موجودہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد مرتب ہوئی' اس لیے اس طرح کے سوالات کا قطعی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بارہ تیرہ سو سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت پیش کی تھی۔ وہ بھی اپنے اصل الفاظ میں نہیں پائی جاتی۔ ان کے علاوہ دیگر آسمانی صحیفوں کا بھی یہی حال ہے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ محفوظ ہیں۔ لیکن قرآن کا

معاملہ یہ ہے کہ جس خدا نے یہ کتاب نازل کی اسی نے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ یہ قیامت تک جوں کی توں محفوظ رہے گی۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر)

''ہم نے ہی یہ قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

یہ کتاب محمد ﷺ نے جس طرح پڑھی اور سنائی آپؐ کے ساتھیوں نے ایک لفظ کے فرق کے بغیر اسی طرح اسے پڑھا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں وہی قرآن پڑھتا ہوں جو محمد ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنا گیا۔ اس کے ساتھ یہ کتاب پوری کی پوری حفظ کی جاتی رہی۔ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے کہ اتنی ضخیم کتاب دو ایک افراد نہیں ہر دور میں ہزاروں لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہو اور اسے بے تکلف از اوّل تا آخر وہ سنا سکتے ہوں۔ اس کا تھوڑا بہت حصہ تو ہر اس مسلمان کو جو نماز پڑھتا ہے' لازماً حفظ ہوتا ہے۔ یہ اہتمام شاید ہی کسی دوسری مذہبی کتاب کے ساتھ ہو!

اس کے ساتھ اوّل روز سے اس کی کتابت کا بھی اہتمام ہوتا رہا ہے۔ قرآن مجید نہ صرف یاد کیا جاتا تھا بلکہ اسے تحریری طور پر محفوظ بھی کیا جاتا تھا۔ دورِ نبوت سے لے کر آج تک اس کے ہزاروں نہیں لاکھوں ایڈیشن چھپ رہے ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں چھپ رہے ہیں' ہندوستان میں چھپ رہے ہیں' پاکستان میں چھپ رہے ہیں' عرب دنیا میں چھپ رہے ہیں' امریکہ و یورپ میں چھپ رہے ہیں اور ہزاروں برس سے چھپ رہے ہیں۔ وہ نسخے بھی دریافت ہو چکے ہیں جو آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والوں نے لکھے تھے' ان میں اور دنیا میں کہیں بھی چھپنے والے کسی بھی نسخہ میں ایک لفظ بلکہ ایک شوشہ کا فرق آپ نہیں پائیں گے۔ حجاز میں جو قرآن مجید چھپ رہا ہے وہی قرآن مجید نول کشور کے مکتبہ سے چھپتا ہے۔ دونوں میں ذرہ برابر فرق و اختلاف آپ نہیں دیکھیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اب کوئی آسمانی کتاب محفوظ نہیں ہے' صرف وہ محفوظ ہے۔

قرآن نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انسانوں کو جو راہِ ہدایت دکھائی تھی وہ زمانہ گزرنے کے ساتھ کم ہوگئی اور ان کی تعلیمات میں اس طرح تحریف ہوگئی کہ صحیح باتوں کے ساتھ غلط باتیں بھی ان میں در آئی ہیں' بلکہ زیادہ تر

غلط باتیں ان کی طرف منسوب ہوگئی ہیں۔ قرآن کا دنیا پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ ان میں جو صحیح باتیں تھیں انہیں اس نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور غلط باتوں کو خارج کر دیا ہے۔ بعض غلط باتوں کی نشاندہی اور ان کی تصحیح بھی کی۔ اس نے ہمیں بتایا کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ملی تھی' حضرت نوحؑ کو اس نے ان ہدایات سے نوازا تھا' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو یہ تعلیمات عطا کی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ دوسرے پیغمبروں کی یہ تعلیم تھی۔ اس کے خلاف جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ غلط اور بے بنیاد ہیں۔ ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے کیا رہا ہے اور اس کے پیغمبروں کی کیا تعلیم تھی تو اسے قرآن ہی سے معلوم کرنا ہوگا اور قرآن پر ایمان لانا ہوگا۔

قرآن مجید نے یہ بات بھی صراحت کے ساتھ کہی ہے کہ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے وہ اپنے اپنے دور کے لیے' اپنے اپنے زمانہ کے لیے آئے۔ اپنے وقت میں انہوں نے بہترین خدمات انجام دیں' اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا' اس کی بندگی اور اطاعت کی دعوت دی۔ کوئی پیغمبر عراق میں' کوئی شام میں' کوئی فلسطین میں اور کوئی حجاز میں آیا۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پیغمبر ہندوستان' چین اور دنیا کے دوسرے ملکوں اور خطوں میں بھی آئے ہوں گے' لیکن یہ سب ایک محدود وقت کے لیے آئے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کا relevance ختم ہوگیا۔ اب ایک ایسے پیغمبر کی ضرورت تھی جس کی تعلیم عالمگیر ہو' قیامت تک کے لیے ہو' ہر ملک اور ہر خطہ کے انسانوں کے لیے ہو۔ اسی لیے محمد ﷺ دنیا میں مبعوث ہوئے۔

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں' وہ اللہ جس کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت حاصل ہے۔''

قرآن ایک طرف خدا کی طرف سے آئے ہوئے تمام پیغمبروں کو تسلیم کرتا' ان کی حقیقی تعلیمات کو پیش کرتا اور نوعِ انسانی پر ان کے احسانات کا ذکر کرتا ہے' ان سب پر ایمان کو وہ ضروری قرار دیتا ہے' ان میں سے کسی ایک کے انکار کو بھی کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ خدا کی آخری کتاب ہے' اس کے آنے کے بعد پہلی سب کتابیں منسوخ ہوگئیں' اس لیے اب اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قرآن مجید سے پہلے توریت اور انجیل موجود تھیں۔ ان کتابوں کو قرآن آسمانی کتاب مانتا اور ان کے ماننے والوں کو صراحت کے ساتھ اہل کتاب قرار دیتا ہے۔ دنیا کے بڑے علاقے پر ان کی حکومت بھی تھی۔ اس سب کے باوجود اس نے ان سے خطاب کر کے کہا:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۭ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (المائدۃ)

''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا ہے۔ وہ تمہارے لیے کتاب (توریت) میں سے ان بہت سی باتوں کو ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر رہا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں پر جو اُس کی مرضی کی اتباع کریں' سلامتی کی راہیں کھولتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور انہیں صراطِ مستقیم دکھاتا ہے۔''

یہ جواب ہے اس بات کا کہ توریت اور انجیل کے ہوتے ہوئے قرآن کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کتابیں آج اپنی حقیقی شکل میں موجود نہیں ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی بعض نمایاں تحریفات کی نشاندہی کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ان کو کتاب محفوظ کا مقام حاصل نہیں ہے۔ انسانی ترمیمات نے اس چشمۂ صافی کو گدلا کر دیا ہے۔ اس لیے ہدایت و رہنمائی کے لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اب اللہ کی آخری کتاب آ چکی ہے جو پوری طرح محفوظ ہے۔ اب یہی واحد سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کو جو قومی اور مذہبی تعصبات سے بلند ہو کر صرف اس کی رضا کا طالب ہو' اس کتاب کے ذریعہ امن و سلامتی کی راہ دکھائے گا اور اسے ظلمتوں سے نکال کر نورِ ہدایت عطا کرے گا۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سارے مذاہب ایک ہی راہ دکھاتے ہیں اور ایک ہی منزل تک پہنچاتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ مذاہب کی اخلاقی تعلیمات کا' جو تمام مذاہب میں مشترک ہیں' حوالہ دیتے ہیں۔ کوئی بھی مذہب جھوٹ' فریب' خیانت' بدعہدی' ظلم و ناانصافی کی تائید نہیں کرتا۔ کوئی مذہب یہ نہیں کہتا کہ جھوٹ بولنا' چوری کرنا اور کسی کا مال لوٹ لینا اچھا ہے۔ کسی نے دھوکہ فریب' خیانت اور بدعہدی کی تائید نہیں کی ہے۔ سب ہی کے

نزدیک کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنا اور کسی بے گناہ کی جان لینا پاپ کا کام اور گناہ کا باعث ہے۔ ہر مذہب صداقت اور راست بازی' دیانت و امانت' عفت و عصمت اور جان و مال کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاق کا درس مذہب کی تعلیم کا ایک لازمی حصہ رہا ہے۔ قرآن نے بھی ان اخلاقیات کی تعلیم دی ہے اور پرزور طریقے سے دی ہے' لیکن اس سے پہلے وہ خدا کے وجود' اس کی وحدانیت' وحی و رسالت اور آخرت پر ایمان کو ضروری قرار دیتا ہے۔ ان بنیادی حقائق کے انکار کے بعد آدمی اخلاق کا پابند ہو بھی جائے تو وہ اس کے نزدیک فلاح کا مستحق نہ ہوگا۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ان حقائق پر ایمان کے بعد ہی صحیح معنوں میں اخلاق پر عمل ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کبھی سچ اس لیے بولتا ہے کہ اس میں اپنا ذاتی فائدہ دیکھتا ہے۔ کبھی فوری فائدہ کی جگہ مستقبل کا فائدہ اسے نظر آتا ہے' وہ سوچتا ہے کہ اگر اس وقت میں سچ بولوں تو تھوڑا سا نقصان برداشت کرنا ہوگا' لیکن آئندہ بڑے فائدے کی توقع ہے۔ کبھی اس لیے سچ بولتا ہے کہ اس میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ تو نہیں ہوتا لیکن اس کے گھر والوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس سے اوپر اٹھ کر کبھی وہ قوم کے فائدے کے لیے صداقت کا اظہار کرتا اور اس کے لیے نقصان برداشت کرتا ہے' لیکن جہاں ان میں سے کوئی فائدہ پیش نظر نہ ہو تو اس کے لیے سچائی کا محرک باقی نہیں رہتا اور اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر خدا اور رسول پر اس کا ایمان ہو اور وہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے لیے لازم قرار دیتا ہو اور اس کے دل و دماغ میں یہ یقین جاگزیں ہو کہ ایک دن اسے اپنے عمل کا جواب دینا ہے تو وہ ہمیشہ اور ہر حال میں سچائی کا پابند رہے گا۔ نفع ہو یا نقصان کوئی چیز اسے راستی سے نہ ہٹا سکے گی۔

قرآن مجید کا ایک خاص پہلو جو آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے' وہ اس کا approach ہے۔ وہ جب قرآن پڑھتا ہے تو صاف دیکھتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے دلیل کے ساتھ کہتا ہے' بے دلیل کوئی بات نہیں کہتا۔ وہ مختلف مسائل میں اپنا موقف بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے خلاف اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ دلیل کا جواب دلیل سے ہونا چاہیے۔ بغیر دلیل کے اسے رد کر دینا نامعقولیت ہے۔ چنانچہ وہ جگہ جگہ کہتا ہے:

﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (البقرۃ)

''(اے پیغمبر ان سے) کہو کہ تم اگر (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔''

قوموں کی تاریخ میں بعض اوقات ان کی قدیم روایات (customs) بڑی اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ وہ انہیں اپنی پہچان سمجھنے لگتی ہیں اور کسی قیمت پر اُن سے دست بردار ہونے

کے لیے تیار نہیں ہوتیں۔ کبھی کبھی تو ان روایات کو قانون کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے جس کی خلاف ورزی کی کوئی شخص ہمت نہیں کر پاتا ہے۔ مذہب کی روایات تو اس کے ماننے والوں کے نزدیک حق وصداقت کا اصل معیار بن جاتی ہیں۔ وہ ان میں کسی غلطی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ وہ ہر چیز کو باپ دادا کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر حق و ناحق کا فیصلہ کرتے ہیں۔ قرآن نے کہا قومی اور مذہبی روایات الگ ہیں اور حق وصداقت ان سے بالکل الگ ہے۔ حق ہر چیز پر مقدم ہے۔ اگر یہ روایات حق کی میزان پر پوری اترتی ہیں تو وہ سر اور آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہیں' ورنہ انہیں ردّ کر دینا چاہیے۔ یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ آدمی روایات کے پیچھے حق کو ٹھکرائے اور ضلالت و گمراہی میں بھٹکتا پھرے۔ اس نے مذہب کے روایت پرستوں کے بارے میں کہا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو (دین) نازل کیا ہے اس کی اتباع کرو تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس طریقے کی اتباع کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ (کیا یہ باپ دادا کی اتباع کریں گے) چاہے وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ راہِ ہدایت پر ہوں؟''

اہل عرب کے نزدیک بھی باپ دادا کے طریقوں کی اہمیت تھی۔ اسے وہ سراسر حق سمجھتے تھے۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ باپ دادا سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ قرآن نے پیغمبروں کے ساتھ ان کے اس جاہلانہ رویے کا ذکر کیا ہے' اس سے ان کے ذہن اور نفسیات کا پتا چلتا ہے۔

﴿قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ﴾ (الزّخرف: ٢٤)

''(پیغمبر نے) کہا اگر میں تمہارے پاس تمہارے باپ دادا کے طریقے سے بہتر طریقہ لے آؤں (تو کیا پھر بھی تم اس کا انکار کرو گے)؟''

مطلب یہ کہ میں تمہارے سامنے ایک بہتر اور معقول بات رکھ رہا ہوں۔ کیا تم اسے محض اس وجہ سے ردّ کر دو گے کہ وہ تمہارے قدیم طریقوں یا روایات کے خلاف ہے؟ لیکن ان روایات پرستوں نے ایک صحیح نظامِ فکر و عمل کو جو اپنی پشت پر دلیل و برہان کی قوت رکھتا تھا' رد کر دیا اور اپنی روایات پر جمے رہے۔ ان کا جواب تھا:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ (الزّخرف)

''انہوں نے کہا جو دین دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔''

اس طرح قرآن ہمارے سامنے اس حیثیت سے آتا ہے کہ وہ کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ خدا کی کتاب ہے۔ کوئی بھی فردِ بشر بلکہ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اس جیسی کتاب نہیں پیش کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام انسانوں کو پیدا کیا' وہی ان کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس نے ان سب کی ہدایت کے لیے یہ کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغمبر آئے اور جو کتابیں نازل ہوئیں ان میں سے کسی کی تعلیم اب اپنی صحیح شکل میں باقی نہیں ہے۔ صرف قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ہے جو پوری طرح محفوظ ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ وہ عقیدے کے معاملے میں جبر کا قائل نہیں ہے۔ وہ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے' کسی کو اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ یہ ہے قرآن کا موقف۔ اس سے اختلاف کا تو آدمی کو حق ہے لیکن اس کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ oo

سکول و کالج کے طلبہ و طالبات کے لیے دینی تعلیمات سیکھنے کا سنہری موقع

جید عرب و مقامی علماء کی کتب پر مشتمل **ادارہ فہم دین** کے مرتب کردہ نئے کورسز

اسلام کا فلسفہ حلال و حرام

حلال و حرام مسلمان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ۞ شکار' شراب' پیشے' شادی' فیملی پلاننگ' بیمہ پالیسی

شاہراہ حیات پر کامیابی کا سفر

وقت کی اہمیت' جائزہ اور تساہل کا تجزیہ و علاج ۞ مؤثر شخصیت اور فنِ گفتگو

حقیقتِ ایمان

کائنات کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ۞ موت ہماری زندگی کا نقطۂ اختتام ہے یا؟

☆ مختصر سوالات ☆ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ☆ آسان اسلوب

نوٹ: ہر کورس کی فیس 200 روپے ہے

پراسپکٹس اور دیگر تفصیلات: **فہم دین خط و کتابت کورسز**

جامع مسجد رحمۃ للعالمین نذیر پارک' غازی روڈ' ڈاک خانہ اسماعیل نگر' لاہور۔ 54760 موبائل: 0322-4679984

زبان کی اہمیت

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ ﷺ رَفَعَهٗ قَالَ : ((اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ : اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا)) (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے' وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر اور) ہمارے بارے میں خدا سے ڈر' کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں' تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے' اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی' تو ہم بھی غلط ہو جائیں گے (اور پھر ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا)''۔

انسان کے سارے اعضاء کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے' مگر کسی فرد کی شخصیت کا حقیقی تعارف اُس کی زبان سے ہی ہوتا ہے۔ جب تک کوئی بندہ خاموش رہتا ہے اور زبان نہیں کھولتا اُس وقت تک اُس کے خوب وزشت چھپے رہتے ہیں۔ فارسی کا ایک شعر ہے: ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

''جب تک کوئی شخص زبان سے بات نہ کرے اس وقت تک اس کے عیب و ہنر پوشیدہ رہتے ہیں''۔

پس کسی آدمی کی شخصیت کے معیار کا تعین اس کی گفتگو سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر زبان نے میٹھے بول بولے تو انسان کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا' جس سے پورے جسم کے اعضاء نے آسودگی پائی۔ اس کے برعکس اگر زبان کا بے جا اور نامناسب استعمال ہوا تو انسان کی پوری شخصیت بدنام ہوئی۔ اور اگر زبان سے ادا کیے گئے الفاظ زیادہ ہی تلخ ہوئے اور سزا

کے مستو جب ٹھہرے تو جسم کے سارے اعضاء تکلیف میں پڑ جائیں گے۔ اسی لیے اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ دن نکلتا ہے تو تمام اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں' اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے کجی اختیار کی تو ہم بھی کج ہو جائیں گے۔

اس حدیث کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے زبان کے صحیح استعمال کی تعلیم دی ہے۔ اس زبان سے جہاں ذکر و اذکار' درود شریف اور دوسری زبانی عبادات کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے وہاں اس کے غلط استعمال سے جھوٹ' غیبت' طعن و تشنیع' گالی گلوچ جیسے بڑے بڑے گناہ حاصل ہوتے ہیں۔ شیریں کلامی سے بڑے سے بڑے سخت دل کو نرم کر لیا جاتا ہے جبکہ بدکلامی سازگار ماحول کو بھی تلخ کر دیتی ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَمَتَ نَجَا)) ''جو چپ رہا وہ نجات پا گیا''۔

گویا آپ ﷺ نے زیادہ گفتگو کرنے سے منع فرمایا' کیونکہ زیادہ باتیں کرنے والے کی زبان سے بہت سی باتیں فضول اور غیر ضروری نکل جاتی ہیں اور اس کا رویہ محتاط نہیں رہ سکتا۔ اچھا انداز یہ ہے کہ زبان کو بس اچھی باتوں کے لیے ہی استعمال کیا جائے۔ دیکھئے رسول اللہ کو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے ہدایات دینی تھیں اور آپؐ نے اُمت کو ہر چھوٹی بڑی ضروری بات بتا دی تھی' مگر اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ:

فَكَانَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ قَلِيْلَ الضِّحْكِ (مسند احمد)

''پس رسول اللہ ﷺ اکثر خاموش رہتے تھے اور بہت کم ہنسا کرتے تھے''۔

اور طبرانی میں ہے:

''آپ ﷺ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی''۔

مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے زبان کے صحیح استعمال کی پرزور تاکید کی ہے۔ آپؐ نے ایک طویل حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پند و نصائح کی باتیں کرتے ہوئے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا:

((كُفَّ عَلَيْكَ ..... وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ)) (ترمذی)

''اے معاذ! اس کو روک کر رکھ..... لوگوں کو ان کی زبانوں کی (بری) کمائیاں ہی ان کے چہروں کے بل یا نتھنوں کے بل آگ میں گرائیں گی''۔

اسی طرح جب حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے بارے میں آپ کس چیز کو سب سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں' تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا کہ ''سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے''۔ (جامع ترمذی)

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ایک اصولی بات ارشاد فرمائی:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ)) (ابن ماجہ' ترمذی)

''کسی شخص کے اسلام کی خوبی میں یہ بات بھی ہے کہ جو چیز اس کے لیے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے''۔

ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مخاطب تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہیں دو ایسی خصلتیں بتاتا ہوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (یعنی اُن کے اختیار کرنے میں کوئی زیادہ بوجھ نہیں اٹھانا پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بھاری ہیں۔ اُن میں سے ایک زیادہ خاموش رہنے کی عادت ہے اور دوسری حسن اخلاق۔ آپ ﷺ نے ربّ ذوالجلال کی قسم کھائی اور فرمایا کہ مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے درجے کی اور کوئی چیز نہیں''۔ (شعب الایمان بیہقی)

پس رسول اللہ ﷺ نے زبان کے استعمال میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ کوئی غیر ضروری' باعث ضرر اور گناہ کا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے۔ اس ضمن میں اللہ کے ذکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ جب زبان اکثر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے گی تو فضولیات سے بچی رہے گی' اور اللہ کا ذکر تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''اور لازماً اللہ کا ذکر تو بہت بڑی بات ہے''۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝﴾ (قٓ)

''کوئی شخص جو الفاظ بھی زبان سے بولتا ہے اسے محفوظ کرنے کے لیے ایک چاک و

چوبند نگران موجود ہوتا ہے۔''

گویا انسان کی گفتگو کا ریکارڈ ہی اُس کا نامۂ اعمال ہے۔

تاریخ اسلامی میں ایک مسلمان خاتون کا عجیب قصہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حج کو جا رہے تھے۔ راستہ میں انہیں ایک عرب خاتون ملی جو اکیلی بیٹھی تھی۔ پوچھا: آپ یہاں کیسے بیٹھی ہیں؟ وہ کہنے لگی: فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (جس کو اللہ راہ سے بچلا دے اس کی راہنمائی کون کر سکتا ہے؟) انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے۔ کہنے لگی: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اور لوگوں پر اللہ کی خاطر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں)۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ خاتون قافلے سے بچھڑ گئی ہے اور حج کے لیے مکہ مکرمہ جا رہی ہے۔ کہنے لگے آپ کب سے یہاں ہیں؟ اُس نے جواب دیا: ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (برابر تین راتیں)۔ آپ نے پوچھا: آپ کھانا کھائیں گی؟ کہنے لگی: اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (روزے کو رات تک پورا کرو)۔ آپ نے کہا: خاتون! سفر میں تو روزہ معاف ہوتا ہے۔ کہنے لگی: مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (جو شخص دل کی آمادگی کے ساتھ بھلائی کرے تو اللہ قدر دان اور جاننے والا ہے)۔ غرض امام صاحب جو بھی بات پوچھتے وہ اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت پڑھ کر اپنا مدعا بیان کر دیتی۔ آپ نے اس کو بھی قافلے کے ساتھ لے لیا اور مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر اس خاتون کے بیٹوں سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ آپ کی والدہ سے جو بھی بات میں نے پوچھی ہے اُس نے جواب میں قرآن کی آیت پڑھ کر اپنا مطلب واضح کیا ہے' ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے کہا ہماری والدہ حافظہ ہے۔ ایک دفعہ ایک واعظ نے اپنے پرتاثیر وعظ میں زبان کی غلط گفتاری کے سنگین نتائج پر بات کی' اُس دن کے بعد عرصہ ہوا کہ انہوں نے اپنی زبان سے آیات قرآنی کے علاوہ کوئی بات نہیں کی۔ اپنا مطلب بیان کرنے کے لیے یہ ہمیشہ قرآن کی آیت پڑھتی ہیں۔ مثلاً کھانا طلب کرنا ہو تو فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا کہہ دیتی ہیں اور ہم ان کے سامنے کھانا رکھ دیتے ہیں۔ گویا ان کا نامہ اعمال جو تیار ہو رہا ہے اُس میں قرآنی آیات کے سوا اور کوئی بات نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک اُس عورت کے اس طرزِ عمل اور اس قدر ثابت قدمی' احتیاط اور تقویٰ پر بہت متعجب ہوئے۔

زیر درس حدیث کے الفاظ ہمیں سبق دیتے ہیں کہ زبان کے استعمال میں حتی الوسع احتیاط کی جائے' کیونکہ اس کا غلط استعمال نتیجے کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے۔ جبکہ اس کا محتاط استعمال دین اور دنیا کی بھلائیوں کا باعث ہے۔ oo

حقیقت ومجازِ قرآن

حافظ محمد زبیر☆

یہ مضمون امام سیوطیؒ کی کتاب ''الاتقان'' اور علامہ زرکشیؒ کی کتاب ''البرہان'' سے ماخوذ ہے۔

قرآن میں مجاز

اس بارے میں علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ قرآن میں حقیقت کا استعمال ہوا ہے اور حقیقت کی تعریف یہ ہے:

وھی کل لفظ بقی علی موضوعہ و لا تقدیم فیہ و لا تاخیر

''ہر وہ لفظ جو کہ اپنے اس (بنیادی) معنی میں باقی رہے جس کے لیے وہ وضع ہوا ہے اور اس میں کسی قسم کی تقدیم وتاخیر نہ ہو''۔

روز مرہ زندگی میں اکثر کلام حقیقت پر مشتمل ہوتا ہے۔ جہاں تک مجاز کا معاملہ ہے تو جمہور علماء قرآن میں مجاز کے وقوع کے قائل ہیں' اگرچہ بعض علماء نے قرآن میں مجاز کا انکار کیا ہے' مثلاً' اہل ظواہر' شوافع میں' ابن القاص' اور مالکیہ میں' ابن خویز منداد' قرآن میں مجاز کے قائل نہیں ہیں۔ ان علماء کا اعتراض یہ ہے کہ مجاز جھوٹ کی ایک قسم ہے اور قرآن جھوٹ سے منزہ ہے۔ ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ متکلم مجاز کو اس وقت اختیار کرتا ہے جب اس کے لیے حقیقت کا دائرہ تنگ ہو جائے اور اللہ کے لیے یہ محال ہے کہ اس پر حقیقت کا دائرہ تنگ ہو۔ لیکن ان حضرات کا یہ شبہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے' کیونکہ اگر قرآن میں مجاز نہ رہے تو اس کی ایک بہت بڑی خوبی باقی نہ رہے گی' کیونکہ علم بلاغت کے ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کلام میں حقیقت کی نسبت مجاز کے استعمال میں زیادہ خوبی ہے اور اگر قرآن کو مجاز سے خالی مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن تو کید' حذف اور تصریف قصص سے بھی خالی ہے۔ امام

☆ ریسرچ فیلو' شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

عز بن عبدالسلامؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور امام سیوطیؒ نے اس کتاب کا خلاصہ بہت سے اضافوں کے ساتھ ایک علیحدہ کتاب میں بیان کر دیا ہے' جس کا نام انہوں نے 'مجاز الفرسان الی مجاز القرآن' رکھا ہے۔

مجاز کی اقسام:

مجاز کی دو قسمیں ہیں: مجاز فی التر کیب اور مجاز فی المفرد۔

پہلی قسم:

پہلی قسم مجاز فی التر کیب ہے' اسے مجاز الاسناد اور مجازِ عقلی بھی کہتے ہیں' اس میں علاقہ مشابہت کا ہوتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

ان یسند الفعل او شبهه الی غیر ما هو له أصالة لملابسته له

''فعل یا شبہ فعل کی نسبت اس امر کی طرف کی جائے جس کے لیے وہ بنیادی طور پر وضع نہیں ہوا' اس لیے کہ اس فعل یا شبہ فعل کی اس امر کے ساتھ کوئی مشابہت ہو''۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا درج ذیل قول ہے:

﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال:۲)

''اور جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (آیات) ان (اہل ایمان) کو بڑھا دیتی ہیں از روئے ایمان کے''۔

اس آیت مبارکہ میں ایمان بڑھانا جو کہ اللہ کا فعل ہے اس کی نسبت آیات کی طرف مجازاً کی گئی ہے' کیونکہ آیات زیادتی ایمان کا سبب ہیں۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (القصص:٤)

''وہ (فرعون) ان (بنی اسرائیل) کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا''۔

حالانکہ ذبح کرنے والے فرعون کے اعوان و انصار تھے' لیکن ذبح کی نسبت فرعون کی طرف مجازاً کی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا﴾ (المؤمن:٣٦)

''اور فرعون کہنے لگا اے ہامان تو میرے لیے ایک محل بنا''۔

حالانکہ محل بنانے والے ہامان کے کارندے تھے لیکن مجازاً اس کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی ہے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ (ابراھیم)

''اور وہ (یعنی قومِ فرعون کے سردار) اپنی قوم کو تباہی کے گھر (یعنی جہنم) پر اُتاریں گے''۔

حالانکہ جہنم میں قومِ فرعون کو داخل کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' لیکن یہاں اس فعل کی نسبت قومِ فرعون کے سرداروں کی طرف مجازاً کی گئی ہے' کیونکہ وہ اپنی قوم کے جہنم میں جانے کا سبب ہوں گے۔ایک جگہ قیامت کے دن کی ہولناکی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ (المزمّل)

''وہ دن جو کہ بچوں کو بوڑھا کر دے گا''۔

اس آیت مبارکہ میں فعل کی نسبت مجازاً دن کی طرف کی گئی' کیونکہ اُس دن میں یہ فعل واقع ہو گا۔اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ (الزلزال)

''اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی''۔

اس آیت میں فعل اخراج کی نسبت زمین کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ اللہ کا فعل ہے۔اور یہ نسبت مجازاً ہے۔

دوسری قسم:

مجاز کی دوسری قسم مجاز فی المفرد ہے' اسے مجاز لغوی بھی کہتے ہیں۔اس میں علاقہ مشابہت کا نہیں ہوتا۔اس کی تعریف یہ ہے:

استعمال اللفظ فی غیر ما وضع له أولا

''کسی لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جس کے لیے وہ ابتداءً وضع نہ ہوا ہو''۔

اس کی مزید کئی اقسام ہیں:

① **حذف**: یعنی کلام میں کچھ حذف کر دینا۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان)

''وہ کہتے ہیں (ہم) سلام (کہتے ہیں)''۔

''سَلَامًا'' مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل ''سَلَّمْنَا'' محذوف ہے۔اور تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''قالوا سلمنا سلاما''۔

اسی طرح کلام میں عموماً مضاف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (یوسف:۸۲)

''اور تو سوال کر بستی (والوں) سے''۔

اس آیت میں 'قریة' سے مراد 'اهل قریة' ہیں' کیونکہ 'قریة' سے سوال نہیں ہوتا' اس لیے یہاں 'اهل' محذوف ہے۔ اسی طرح حواریین مسیحؑ کے الفاظ یوں نقل کیے گئے ہیں:

﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ (الصف:۱٤)

''ہم اللہ کے (دین) کے مددگار ہیں''۔

یہاں مراد 'نَحْنُ اَنْصَارُ دِيْنُ اللّٰهِ' ہے۔ 'دین' یہاں محذوف ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ (البقرة:۹۳)

''اور وہ پلائے گئے اپنے دلوں میں بچھڑے (کی محبت)''۔

یہاں پر 'حب' محذوف ہے اور مراد 'حُبّ العِجل' ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ﴾ (الاعراف:۱۵۵)

'اور حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم (میں سے کچھ) کو چن لیا''

یہاں پر 'مِن' محذوف ہے اور مراد 'مِنْ قَوْمِه' ہے۔

علامہ زرکشی نے لکھا ہے کہ محققین علماء حذفِ مضاف کو مجاز کی اقسام میں شمار نہیں کرتے' کیونکہ اس کا استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے جس کے لیے یہ وضع کیا گیا ہوتا ہے۔

② زیادتی: اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں بعض نحویوں کے نزدیک 'مثل' زائدہ ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: 'لیس کھو شیء'۔ جبکہ معروف موقف یہ ہے کہ 'کاف زائدہ ہے اور 'مثل' لیس کی خبر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی 'لیس مثله شیء'۔ کیونکہ اسم (یعنی مثل) کو زائد کہنے سے بہتر ہے کہ حرف (یعنی کاف) کو زائد کہا جائے۔ یہ قول ابن جنی اور ابو سعید السیر افی وغیرہ کا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور 'حروف

کاف' یہاں زائدہ ہے' اگر ہم اس کو زائدہ نہ مانیں تو کلام محال ہو جائے گا' کیونکہ اگر' حرف کاف' کو زائدہ نہ مانا جائے تو یہ 'مثل' کے معنی میں ہوگا اور تقدیر عبارت ہوگی 'لیس مثل مثله شیء'۔ اگر ہم اس تقدیر عبارت کو مان لیں تو اللہ کے لیے 'مثل' کا اثبات ہوگا اور نفی اس بات کی ہوگی کہ اس کی مثل کے مشابہ کوئی نہیں ہے' یعنی مثل سے مشابہت کی نفی ہوئی نہ کہ اللہ کی ذات سے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں کچھ بھی زائد نہیں ہے کیونکہ یا تو یہاں 'مثل' صفت کے معنی میں ہے اور تقدیر عبارت ہے 'لَيْسَ كَصِفَتِهٖ شَيْءٌ' یا پھر 'مثل' سے مراد مثل ہی ہے کیونکہ معدوم سے بھی کسی چیز کی نفی کرنا جائز ہے' اس لیے اللہ کا 'مثل' معدوم ہے اور اس (مثل معدوم) کے مثل کی نفی کی جا رہی ہے۔

④ کل کا اطلاق جزء پر ہو: یعنی کل بول کر مراد اس کا جزء ہو۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ ﴾ (البقرة:١٩)

''وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں''۔

اس آیت میں 'اَصَابِع' یعنی انگلیوں سے مراد ان کا جزء یعنی انگلیوں کے پور ہیں۔ کیونکہ انسان کی انگلی اس کے کان میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ﴾ (البقرة:١٨٥)

''پس جو بھی تم میں سے (رمضان کے) مہینے میں حاضر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس (مہینے) کا روزہ رکھے''۔

اس آیت مبارکہ میں مہینے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے اور مہینے میں دن اور رات دونوں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں مراد مہینے کا جزء یعنی صرف دن ہے۔

⑤ جزء کا اطلاق کُل پر ہو: یعنی جزء بول کے مراد اس کا کل ہو۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ﴾ (البقرة:١٤٤)

''پس آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں''۔

اس آیت مبارکہ میں 'وَجْہ' سے مراد پورا جسم ہے۔

اسی طرح ﴿قُمِ الَّيْلَ﴾ (المزمل:٢) اور ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (البقرة)' اور ﴿مِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ﴾ (الدھر:٢٦) میں قیام' رکوع اور سجود سے مراد نماز ہے' ان آیات

میں نماز کا جزء بول کر مراد نماز لی گئی ہے۔اسی طرح ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ (المائدۃ:۹۵) میں 'الکعبۃ' سے مراد حرم ہے' کیونکہ قربانیاں کعبہ میں تو ذبح نہیں ہوتیں۔

بعض اوقات لفظ 'بعض' بول کر کل مراد لیا جاتا ہے یہ بھی اس میں شامل ہے مثلاً: ﴿وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ﴾ (الزخرف:٦٣)

بعض نے ذات کی صفت سے اس کے بعض حصے کو متصف کرنا اور بعض کی صفت سے کل کی توصیف کو بھی ان دو اقسام میں شامل کیا ہے۔ پہلے کی مثال ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ (العلق) ہے کیونکہ خطأ کل کی صفت ہے' یہاں بعض (یعنی نَاصِيَة) کی بیان ہوئی ہے۔اسی طرح دوسرے کی مثال ﴿اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ﴾ (الحجر) اور ﴿وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ (الکھف) ہے۔' وجل' اور 'رعب' قلب کی صفات ہیں جبکہ ان کی نسبت مجسم انسان کی طرف کی گئی ہے۔

⑤ اسم خاص کا اطلاق عام پر: یعنی خاص بول کر مراد عام ہو' اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الشعراء)

''بے شک ہم تمام جہانوں کے رب کے رسول ہیں''۔

⑥ اسم عام کا اطلاق خاص پر: یعنی عام بول کر مراد خاص ہو۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ:٥)

''اور وہ (فرشتے) بخشش طلب کرتے ہیں اس کے لیے جو زمین میں ہے''۔

اس آیت میں 'مَنْ فِي الْاَرْضِ' عام ہے' لیکن اس سے مراد خاص یعنی صرف مؤمنین ہیں' کفار اس میں داخل نہیں ہیں' جیسا کہ ایک دوسری آیت میں وضاحت ہے ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (المؤمن:٧) اسی طرح ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ (الشعراء) میں تمام شعراء مراد نہیں ہیں۔اسی طرح ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا﴾ (الحجرات:١٤) میں کچھ بدو مراد ہیں۔اسی طرح ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ﴾ (الانعام:٦٦) میں بعض قوم مراد ہے۔اسی طرح ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الانعام) میں پہلے مسلمان داخل نہیں ہیں۔ چونکہ اللہ کے رسول ﷺ سے پہلے بہت سے مسلمان انبیاء گزرے ہیں' اس لیے یہاں اللہ کے رسول ﷺ کی مراد ہے کہ اپنی قوم میں' میں پہلا مسلمان ہوں۔اسی طرح ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ﴾ (آل عمران:١٧٣) میں 'النَّاس' عام نہیں ہے بلکہ

خاص ہے۔اسی طرح ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ (الاحقاف:۲۵) میں 'كُلَّ شَيْءٍ' عام نہیں بلکہ خاص ہے' یعنی جس کے تباہ ہونے کا ارادہ اللہ نے کرلیا تھا اس کو تباہ کرتی تھی۔اسی طرح ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ (البقرۃ:۱۹۷) میں 'اَشْهُرٌ' سے مراد دو مہینے اور کچھ دن زائد ہیں' یعنی پورے تین مہینے نہیں ہیں' جبکہ عربی زبان میں 'اَشْهُرٌ' کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔

⑦ ملزوم کا اطلاق لازم پر: یعنی ملزوم بول کر مراد لازم ہو۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ﴾ (الروم:۳۵)

''یا ہم نے ان پر کوئی واضح دلیل اتاری ہے پس وہ کلام کرتی ہو''۔

اس آیت مبارکہ میں 'سُلْطَان' یعنی دلیل کی طرف کلام کرنے کے فعل کی نسبت کی گئی ہے لیکن 'يَتَكَلَّمُ' اس آیت میں 'يَدُلُّ' یعنی رہنمائی کرنا کے معنی میں ہے۔رہنمائی کرنا لازم ہے اور کلام کرنا اس کا ملزوم ہے' اس لیے یہاں لازم کی جگہ ملزوم کو مجازاً لایا گیا ہے۔

⑧ لازم کا اطلاق ملزوم پر: یعنی لازم بول کر مراد ملزوم ہو۔اس کی مثال امام زرکشی نے یہ بیان کی ہے:

﴿هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (المائدۃ:۱۱۲)

''کیا آپ کا ربّ ہمارے اوپر آسمان سے کھانا نازل کرے گا''۔

یہاں استطاعت کا اطلاق فعل پر ہے' یعنی 'يَسْتَطِيْعُ' سے مراد 'يَفْعَلُ' ہے' کیونکہ کسی فعل کے لیے استطاعت کا ہونا لازم ہے' اس لیے استطاعت لازم اور فعل ملزوم ہے اور یہاں لازم بول کر مراد ملزوم ہے۔کیونکہ اللہ تو ہر چیز کی استطاعت رکھتا ہے اور اس کے بارے میں یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ وہ کسی چیز کی استطاعت رکھتا ہے یا نہیں؟

⑨ مسبب کا اطلاق سبب پر: یعنی مسبب بول کر مراد سبب ہو۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا﴾ (المؤمن:۱۳)

''وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے''۔

اس آیت میں 'رِزْق' جو کہ مسبب ہے اس سے مراد بارش ہے جو کہ اس کا سبب ہے' کیونکہ آسمان سے تو رزق نازل نہیں ہوتا' رزق تو زمین سے نکلتا ہے' لیکن اس رزق کا سبب بارش ہے جو کہ آسمان سے نازل ہوتی ہے۔اسی طرح ﴿قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾ (الاعراف:۲۶)

میں 'لِبَاس' سے مراد اس کا سبب یعنی بارش ہے۔ اسی طرح ﴿لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ (النور:۳۳) میں 'نکاح' سے مراد اس کے اسباب ہیں' جیسے حق مہر وغیرہ

⑩ سبب کا اطلاق مسبب پر: یعنی سبب بول کر مراد مسبب ہو۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ﴾ (ھود:۲۰)

''وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے''۔

اس آیت میں سننے سے مراد قبول کرنا ہے۔ چونکہ سننا قبول کرنے کا سبب ہے اس لیے سبب یعنی سننا بول کر مراد مسبب یعنی قبول کرنا لیا گیا ہے۔ اسی طرح ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ:۴۰) میں بھی دوسری 'سَيِّئَةٌ' سے مراد جزاء ہے' کیونکہ 'سَيِّئَةٌ' سبب ہے اور 'جَزَاء' اس کا مسبب ہے۔

سبب کے سبب کی طرف فعل کی نسبت بھی اس میں داخل ہے' مثلاً قرآن میں ہے:

﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ (البقرۃ:۳۶) اس آیت میں حضرت آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام کو جنت سے نکالنے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے' حالانکہ دونوں کو جنت سے اللہ تعالیٰ نے نکالا تھا۔ چونکہ اللہ کے اس نکالنے کا سبب پھل کھانا تھا اور پھل کھانے کا سبب شیطان تھا' اس لیے نکالنے کی نسبت سبب کے سبب یعنی شیطان کی طرف کر دی گئی۔

⑪ اعتبار ما کان: یعنی ایک چیز کی ماضی کی کسی حالت کا زمانہ حال میں اطلاق کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء:۲)

''اور یتیموں کو ان کے مال دے دو''۔

اس آیت مبارکہ میں یتیموں کو ان کا مال واپس کرنے کا حکم دیا گیا ہے' حالانکہ یتیموں کو ان کا مال اُس وقت واپس کرنے کا حکم ہے جبکہ وہ بالغ ہو جائیں اور بلوغت کے بعد وہ یتیم نہیں رہتے۔ اس لیے یہاں ان بالغ بچوں کو یتیم ان کے ماضی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ اسی طرح ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرۃ:۲۳۲) میں 'اَزْوَاج' یعنی شوہر کا لفظ اعتبار ما کان ہے' کیونکہ نکاح تو شوہروں سے نہیں ہوتا' بلکہ مراد سابقہ شوہر ہیں۔ اسی طرح ﴿مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا﴾ (طٰہٰ:۷۴) میں مجرم اعتبار ما کان ہے' یعنی دنیا میں مجرم تھا۔

⑫ اعتبار ما یکون: یعنی ایک شے کی مستقبل میں کسی متوقع حالت کا اطلاق حال پر کر

دینا۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ (یوسف:۳۶)

''بے شک میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں''۔

اس آیت میں انگور کی جگہ 'خَمْر' یعنی شراب کا لفظ بولا گیا ہے' کیونکہ انگور اپنے ممکنہ مستقبل کے اعتبار سے شراب ہیں۔اسی طرح ﴿وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (نوح) میں بھی اعتبار مایکون ہے' کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اُس وقت وہ کافر اور فاجر نہیں ہوتا' بلکہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔یہاں کافروں کے بچوں کے مستقبل کے حوالے سے ان کو کافر اور فاجر کہا گیا ہے۔اسی طرح ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ (البقرۃ:۲۳۰) میں 'زَوْج' کا لفظ اعتبار مایکون ہے' کیونکہ نکاح زوج یعنی شوہر سے نہیں ہوتا بلکہ غیر شوہر سے ہوتا ہے۔اسی طرح ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ (الصّٰفّٰت) میں 'حَلِیْم' اعتبار مایکون کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا ہے' کیونکہ کوئی بھی بچہ پیدا ہوتے ہی اس صفت سے متصف نہیں ہوتا۔

⑬ حال کا اطلاق محل پر: یعنی حال بول کر مراد اس کا محل (جگہ) ہو۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (آل عمران)

''پس اللہ کی رحمت میں' وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔

اس آیت مبارکہ میں 'رَحْمَة' سے مراد محل رحمت یعنی جنت ہے۔اسی طرح ﴿بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ (سبا:۳۳) میں مراد 'فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ' ہے۔اسی طرح ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ﴾ (الانفال:۴۳) میں حسن بصری کے نزدیک 'مَنَام' سے مراد محلِ منام یعنی آنکھ ہے۔

⑭ محل کا اطلاق حال پر: یعنی محل (جگہ) بول کے مراد اس کا حال ہو۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ﴾ (العلق)

''پس اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس کو پکارے''۔

اس آیت میں 'نَادِیَه' یعنی محل مجلس سے مراد اہل مجلس ہیں۔ اسی طرح ﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (الملک:۱) میں محلِ قدرت یعنی ہاتھ سے مراد قدرت ہے۔اسی طرح ﴿يَقُوْلُوْنَ

بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ (آل عمران:۱۶۷) میں محل زبان یعنی 'اَفْوَاہ' سے مراد زبان ہے۔ اسی طرح ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (یوسف:۸۲) میں محل یعنی قریۃ سے مراد اہل قریۃ ہیں۔ اسی طرح ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱) میں دونوں انواع اکٹھی ہوگئی ہیں' زینت سے مراد محل زینت ہے' جبکہ مسجد یعنی محل نماز سے مراد نماز ہے۔ اسی طرح ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ (الاعراف:۱۷۹) میں محل عقل یعنی قلوب سے مراد عقل ہے۔

⑮ ایک شے کو اس کے آلہ سے موسوم کرنا: اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ (ابراھیم:٤)

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی رسول کو مگر اس کی قوم کی زبان میں''۔

اس آیت مبارکہ میں لغت کو اس کے آلہ یعنی لسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ (الشعراء) میں ثنا کو اس کے آلہ یعنی لسان سے تعبیر کیا گیا ہے' اس لیے لسانِ صدق سے مراد ثنائے صدق ہے۔

⑯ ایک شے کو اس کی ضد سے پکارنا: اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (آل عمران)

''پس آپ اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں''۔

بشارت کو عذاب کے ساتھ اکٹھا کیا گیا ہے جو کہ اس کی ضد ہے۔ اسی طرح ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ (الاعراف:۱۲) سے مراد 'مَا دَعَاكَ اَلَّا تَسْجُدَ' ہے' یعنی 'منع' بمعنی 'دعا' ہے۔ اس صورت میں 'لا' زائدہ نہ ہوگا۔

⑰ فعل کی اضافت ایسی شے کی طرف کرنا کہ وہ فعل اس سے سرزد ہونا صحیح نہ ہو مگر تشبیہاً اس کا ذکر ہو۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ (الکھف:۷۷)

''وہ دیوار گرنا ہی چاہتی تھی''۔

حالانکہ ارداہ جاندار کی صفت ہے لیکن اسے دیوار کے لیے استعمال اس لیے کیا کہ دیوار اتنی جھکی ہوئی تھی گویا وہ از خود گرنے کے لیے تیار بیٹھی ہو' اس لیے اس کے لیے ارادہ کا لفظ تشبیہاً استعمال کیا گیا۔ یا پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ فعل اس میں وقوع پذیر ہوتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝﴾ (الروم)

''الم، روم مغلوب ہوگیا''۔

اس آیت میں مغلوب ہونے کی نسبت 'روم' کی طرف کی گئی ہے' حالانکہ مغلوب ہونے والے اہل روم تھے۔

⑱ فعل کو بولنا مگر مراد اس کی مشارفت (یعنی فعل کے کرنے کے لیے تیار ہو جانا) یا مقاربت (یعنی فعل کے نزدیک ہونا) ہو۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ﴾ (الطلاق:۲)

''پس جب وہ اپنی مقررہ مدت کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو''۔

اس آیت میں 'بلوغ' سے مراد قربِ بلوغ ہے' کیونکہ اجل تک پہنچنے کے بعد تو عورت اپنے خاوند کے نکاح سے نکل جاتی ہے' لہٰذا اسے روکنے کا اختیار خاوند کے پاس باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝﴾ (الاعراف) میں 'اجل' سے مراد قربِ اجل ہے۔ اسی طرح ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ (النساء:۹) میں 'ترک' سے مراد قربِ ترک ہے۔ اسی طرح ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ (المائدۃ:٦) میں 'قیام' سے مراد ارادۂ قیام اور ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ (النحل:۹۸) میں 'قراءت' سے مُراد ارادۂ قراءت ہے۔ اسی طرح ﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا﴾ (الاعراف:٤) میں 'اهلاك' سے مراد ارادۂ اهلاك اور ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ (المائدۃ:٤٢) میں 'حکم' سے مراد ارادۂ حکم ہے۔ اسی طرح ﴿اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾ (المجادلۃ:۱۲) میں 'مناجات' سے مراد ارادۂ مناجات اور ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ﴾ (النساء:۵۸) میں مراد ارادۂ حکم ہے۔ اسی طرح ﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (الطلاق:۱) میں مراد ارادۂ طلاق اور ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ (الانعام:۱۵۲) میں مراد ارادۂ قول ہے۔ علامہ زمخشری نے ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا﴾ (ھود:۳۲) میں 'جدال' ارادۂ جدال کے معنی میں لیا ہے تاکہ تکرار سے بچا جا سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسی نوع کے تحت ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ﴾ (الاعراف:۱۷۸) کو بھی داخل کیا ہے۔

⑲ قلب: اس کے معنی اُلٹ پھیر کے ہیں۔ اس کی تین اقسام ہیں:

یا تو اسناد کا قلب ہوگا۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ (الرعد)

''ہر لکھے ہوئے کے لیے ایک وقت مقرر ہے''۔

بعض نے اسے ''ہر اجل کے لیے ایک کتاب ہے''۔ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ یعنی اس سے مراد 'لِكُلِّ كِتَابٍ اَجَلٌ' ہے۔ اسی طرح ﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ (البقرۃ:۳۷) سے مراد 'فَتَلَقّٰى اٰدَمَ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٌ' ہے اور ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ﴾ (یونس:۱۰۷) سے مراد وَاِنْ يُّرِدْ بِكَ الْخَيْرَ ہے۔

یا عطف کو مقلوب کر دیا جائے۔ اس کی مثال بعض علماء نے یہ بیان کی ہے:

﴿ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ﴾ (النمل:۲۸)

''پھر آپ اُن سے منہ پھیر لیں پس آپ دیکھیں''۔

اس سے مراد 'فَانْظُرْ ثُمَّ تَوَلَّ' ہے۔ اسی طرح ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ (النجم) سے مراد 'تَدَلّٰى فَدَنَا' ہے۔

یا تشبیہ کو مقلوب کر دیا گیا ہو۔

(جاری ہے)

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** حفظہ اللہ

کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبی اکرم ﷺ سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

اشاعت خاص: 18روپے ' اشاعت عام: 12روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خُدام القرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501' فیکس: 5834000

email:anjuman@tanzeem.org

رودادِ تقریبِ تقسیمِ اَسناد

برائے ایک سالہ قرآن فہمی کورس 06-2005ء

زیرِ اہتمام انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی

فاروق احمد

میں آپ کو ایک ایسی مجلس کا احوال بتانے چلا ہوں جس کا انعقاد اللہ کے گھر میں ہوا' جس کے انعقاد کا مقصد تھا اللہ کی کتاب کے خادمین کی تحسین' جس کے منتظمین تھے اللہ کی کتاب کی تبلیغ میں مشغول رہنے والے' جس کی صدارت کر رہی تھی وہ ہستی جس نے اپنی پوری زندگی قرآن پاک کی خدمت میں صرف کی اور جس کے شرکاء وہ عاشقینِ قرآن تھے جو اُن سعادت مندوں میں شمولیت کے خواہش مند تھے جن کے بارے میں حدیثِ نبویؐ ہے کہ ''تم میں بہترین وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں''۔ یہ مجلس قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی کی مسجد ''جامع القرآن'' میں منعقد ہوئی۔ شرکاء تھے بارہویں ایک سالہ قرآن فہمی کورس 06-2005ء کے اساتذہ اور فارغ التحصیل طلبہ وطالبات اور دیگر معزز احباب۔ صدرِ مجلس تھے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب۔

8 جنوری 2007ء بعد نمازِ مغرب مجلس کا آغاز ہوا۔ میزبانی کے فرائض دو فارغ التحصیل طلبہ نے ادا کیے۔ یہ تھے قرآن اکیڈمی ڈیفنس کے اُسامہ جاوید اور قرآن اکیڈمی یٰسین آباد کے عثمان علی۔ تلاوت قرآن پاک کی سعادت قرآن اکیڈمی یٰسین آباد کے حافظ فیض الرحمٰن نے حاصل کی اور ترجمہ بیان کیا قرآن اکیڈمی ڈیفنس کے اسد رضوی صاحب نے۔ صدر انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی جناب عبداللطیف عقیلی صاحب نے افتتاحی کلمات ادا کیے اور شرکاءِ مجلس کو انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کی اب تک ہونے والی پیش رفت سے آگاہ کیا۔ پھر ڈائریکٹر اکیڈمکس جناب انجینئر نوید احمد صاحب نے ایک سالہ قرآن فہمی کورس کا پس منظر اور مقاصد بیان کیے۔ اُنہوں نے خواتین کی نگرانی میں منعقد ہونے والے ڈیڑھ سالہ کورس برائے خواتین کا بھی مختصر تعارف کرایا۔ خصوصاً سال 06-2005ء کے کورس کے کوائف سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس بار بارہواں کورس منعقد ہوا

اور رس کا انعقاد دو مقامات پر ہوا' یعنی قرآن اکیڈمی ڈیفنس اور قرآن اکیڈمی لیبین آباد۔ مجموعی طور پر دونوں مقامات پر 232 حضرات وخواتین رجسٹرڈ ہوئے۔ ان میں سے 122 نے کورس کے اختتام تک شرکت کی جن میں 62 مرد اور 60 خواتین تھیں۔ 72 حضرات وخواتین نے امتحانات میں کامیابی حاصل کی جن میں 31 مرد اور 41 خواتین تھیں۔ بقیہ 50 حضرات وخواتین کورس کے اختتام تک حاضر رہے۔ ان کلمات کے بعد کورس کے فارغ التحصیل چار طلبہ نے کورس کے بارے میں اپنے تأثرات بیان کیے۔

عشاء کی نماز کے بعد جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے صدارتی خطاب ارشاد فرمایا۔ انہوں نے کامیاب طلبہ وطالبات کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ وہ ایک سالہ کورس کی تکمیل کو علوم قرآن سیکھنے کے لیے ابتدا یعنی entrance سمجھیں۔ اب عربی پڑھائیں اور منتخب نصاب کے بیان کے لیے مطالعۂ قرآن کے حلقے قائم کریں' تاکہ کورس میں سیکھے ہوئے سبق کو نہ صرف یاد رکھ سکیں بلکہ مزید پختہ بھی کر سکیں۔ اُنہوں نے خواتین کی نگرانی میں منعقد ہونے والے ڈیڑھ سالہ کورس برائے خواتین کے انعقاد کی خاص طور پر تحسین کی اور اسے لاہور میں بھی شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خطاب کے بعد موصوف نے فارغ التحصیل طلبہ میں اسناد تقسیم کیں۔ کورس میں آخر تک شریک رہنے والے حضرات کو صدرِ انجمن جناب عبداللطیف عقیلی صاحب نے شرکت کی اسناد دیں۔ خواتین میں محترمہ بنتِ اعوان صاحبہ نے اسناد تقسیم کیں۔ رات 9 بجے اس پُروقار تقریب کا اختتام ہوا۔

راقم بھی اس سال فارغ التحصیل ہونے والے شرکاء میں شامل تھا۔ راقم نے اپنے تأثرات مجلس میں بیان کیے۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے میرے تأثرات کی اپنے خطاب میں تحسین فرمائی۔ افادۂ عام کے لیے یہ تأثرات پیشِ خدمت ہیں :

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' ہم روزانہ متعدد بار پڑھتے ہیں' نمازوں میں بھی اور دعاؤں سے پہلے' مگر زندگی میں چند لمحات ایسے ہوتے ہیں جب یہ کلمات ہمارے دل سے نکلتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ' تمام تعریفیں اور شکر بالواسطہ اور بلاواسطہ تمام جہانوں کے ربّ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ میرے لیے اس کورس کی تکمیل بھی ایسا ہی لمحہ تھا۔ یہ مسجد کا وہ ہال ہے جہاں میں نے پچھلے سال رمضان المبارک میں امیر محترم جناب عاکف سعید صاحب کو اسناد تقسیم کرتے ہوئے دیکھا تھا اور رشک کیا تھا اُن فارغ التحصیل طالب علموں پر جو اسناد لے رہے تھے۔ الحمدللہ! آج میں اسی ہال میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہاتھ سے سند وصول کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ کراچی کی اڑھائی سے تین کروڑ کی آبادی میں مجھے اور میری اہلیہ کو اللہ ربّ العزت نے چنا اور اُن لوگوں میں شامل کیا جو اُس کی کتاب پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اُس نے ہمیں چنا بغیر کسی استحقاق کے اور بغیر کسی قابلیت کے۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کے دین کی خدمت کا مشن ہرگز ہرگز ہماری صلاحیتوں کا محتاج

نہیں۔ اللہ تو غنی ہے' حمید ہے' صمد ہے اور ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔ یہ صرف اس کا احسان اور کرم ہے کہ اس نے ہمیں اپنی کتاب کے سیکھنے کے لیے توفیق مرحمت فرمائی' لہٰذا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

ایک سالہ قرآن فہمی کورس کے حوالے سے میرا ابتدائی تأثر یہ تھا کہ اس میں صرف عربی گرامر پڑھائی جاتی ہے' مگر اب آپ مجھ سے اس کورس کا نظام الاوقات (time table) پوچھیں گے تو میں آپ کو بتاؤں گا کہ پہلا پیریڈ قرآن' دوسرا پیریڈ قرآن' تیسرا پیریڈ قرآن' چوتھا پیریڈ قرآن۔ ہفتہ میں پانچ دن اور ہر دن کے چار گھنٹے صرف قرآن کا ماحول۔ عربی گرامر کے قواعد کے مضمون کے علاوہ بھی دیگر مضامین ہیں جو کہ تمام کے تمام قرآن پاک سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کو عربی قواعد سمجھنے اور یاد کرنے میں دقت محسوس ہو' لیکن آپ کو اللہ کے احکام اور مطالبات سمجھ میں آجائیں گے۔ میں کیوں ہوں؟ میرا کام کیا ہے؟ میری ذمہ داری کیا ہے؟ میرا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ میرا بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان کیا شرف ہے؟ میری بات قبول نہ کیجیے' میرے ساتھ پڑھنے والوں سے پوچھ لیجیے۔ ان میں سے اکثر وہ حضرات ہیں جو عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں نظریات کی تبدیلی بہت مشکل ہوتی ہے۔ مگر آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ کورس میں شمولیت کے وقت وہ کیا تھے اور اب کورس کی تکمیل کے بعد وہ کیا ہیں؟ میں آپ کو ایک ہم جماعت کی بات بتاتا ہوں۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ اولاد اثاثہ (assets) ہے مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ تو liability ہے! ان کے بارے میں تو پوچھ گچھ ہوگی!

میں شکر گزار ہوں اپنے اساتذۂ کرام کا۔ شاید وہ نہیں جانتے کہ اُنہوں نے ہمیں کیا کچھ دیا ہے اور ہم نے ان سے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ میں ان اساتذۂ کرام کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ میں شکر گزار ہوں اپنے والدین کا جنہوں نے آج کے مادہ پرستانہ ماحول میں گوارا کیا کہ میں اپنی ملازمت چھوڑ کر اپنی اہلیہ کے ساتھ اس کورس کی تکمیل کرسکوں۔ انہوں نے مجھے ہر ممکن سہولت دی اور معاش کی کوئی پریشانی نہیں پہنچنے دی۔ میں شکر گزار ہوں اپنی اہلیہ کا جنہوں نے ہر وقت میری ہمت بندھائے رکھی' میرے ساتھ کورس کی تکمیل کی' مجھ سے اچھے نمبر لیے اور کڑے وقت میں میرا ساتھ دیا۔ میں شکر گزار ہوں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جن کی تعلیمات سے پہلے بھی میں مستفید ہو رہا تھا اور ہو رہا ہوں اور ان ہی کی مساعی کی بدولت وہ اکیڈمیز قائم ہوئیں جن کے ذریعے ہم نے کورس مکمل کیا۔ یہ ذریعہ بنے ہیں اس خطۂ زمین میں قرآن کی تعلیمات پھیلانے کا۔ آخر میں ہم سب اُس ہستی ﷺ پر درود و سلام بھیجیں کہ جن کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں' ورنہ کسی مورتی کو پوج رہے ہوتے یا کسی نبی کو اللہ کا بیٹا مان رہے ہوتے۔ وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔oo

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام مجلّہ : ذکریٰ جدید، نئی دہلی (اسلام کا خاندانی نظام نمبر)

مدیر اعلیٰ : مولانا محمد یوسف اصلاحی

ضخامت : 256 صفحات ۔ اشاعت: نومبر 2006ء ۔ قیمت: 35 ہندوستانی روپیہ

ملنے کا پتہ: 51۔اے، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی

''ذکریٰ جدید'' ایک معیاری اسلامی مجلّہ ہے، جس کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد یوسف اصلاحی دردِ دل رکھنے والے بلند پایہ عالم دین اور منجھے ہوئے صحافی ہیں۔ انڈیا سے شائع ہونے والے ماہوار اسلامی رسالوں میں ''ذکریٰ جدید'' امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔

زیر تبصرہ شمارہ ''ذکریٰ جدید'' کی خصوصی اشاعت ہے، جس میں اسلام کے خاندانی نظام کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کو اسلامی طرزِ معاشرت سے آگاہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مغرب کی مادی ترقی سے مرعوب ہو کر وہاں کی آزاد خیالی میں کشش محسوس کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا خاندانی نظام خود خالق کا بنایا ہوا ہے جو اپنی مخلوق کی ضرورتوں، مصلحتوں، کمزوریوں اور صلاحیتوں کو خوب جانتا ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے حقوق و فرائض کا تعین بھی کیا ہے اور اُن کے دائرہ ہائے کار بھی متعین کر دیے ہیں۔ عورت کو باوقار شخصیت تسلیم کیا گیا ہے اور اسے مرد کے ہاتھ میں کھلونا قرار نہیں دیا گیا۔ نکاح اور طلاق کے حدود و قیود کا واضح تعین کر دیا گیا ہے۔

ذکریٰ جدید کے اس خصوصی شمارے میں اسلام کے خاندانی نظام پر انتہائی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور وہ تمام شکوک و شبہات بڑے احسن طریقے اور خوبی کے ساتھ دور کر دیے گئے ہیں جو ناواقف حال غیر مسلموں اور خود مسلمانوں کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر اسلام کے عائلی نظام میں عورت کا پردہ، تعددِ ازدواج، نکاحِ ثانی، طلاق کا حق، ضبطِ ولادت کی مخالفت، نظامِ وراثت، آزادیٔ نسواں جیسے عنوانات پر پائی جانے والی غلط فہمیوں کو نہایت احسن اور مدلل انداز میں دُور کیا گیا ہے۔ جو بھی طالب حق ان مضامین کا تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کرے گا وہ یقیناً راہِ صواب پا کر دل کا اطمینان حاصل کر لے گا۔ اکثر مضامین نامور اور راسخ العلم علماء کے قلم سے ہیں، جن میں مدیر اعلیٰ کے

علاوہ سید محمد رابع حسنی ندوی' سید جلال الدین عمری' سید ابوالحسن علی حسنی ندوی' سید ابوالاعلیٰ مودودی' برہان الدین سنبھلی اور حافظ حفیظ الرحمٰن اسعد عمری مدنی جیسے اعاظم رجال شامل ہیں۔

ذکریٰ جدید کے اس خصوصی شمارے کا مطالعہ تمام پڑھے لکھے مسلمانوں کو کرنا چاہیے تاکہ وہ باطل کی طرف سے تنقید کا نشانہ بننے والے موضوعات کے متعلق اصل حقائق سے آگاہ ہو سکیں اور اپنے ناواقف مسلمان بھائیوں اور دوسرے غیر مسلم افراد تک' جو بات سمجھنے کا ارادہ رکھتے ہوں' یہ تحریریں پہنچا سکیں۔ حق تو یہ ہے کہ ذکریٰ جدید کا یہ خصوصی شمارہ اسلام کے خاندانی نظام پر ایک جامع دستاویز ہے۔

ادارہ ''حکمت قرآن'' نے ''ذکریٰ جدید'' کا یہ خصوصی شمارہ محدود تعداد میں انڈیا سے منگوایا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے خواہش مند حضرات 70 روپے (پاکستانی) پروفیسر محمد یونس جنجوعہ کے نام بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں' انہیں یہ شمارہ رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کر دیا جائے گا۔

(۲)

نام کتاب : معلم لغة القرآن

مصنف : سید اعجاز حیدر

ضخامت : 288 صفحات ۔ قیمت: 180 روپے

ملنے کا پتہ: دارالتذکیر' رحمٰن مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور

عربی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبان ہے۔ قرآن مجید بھی عربی زبان میں ہے۔ اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ اسلامی تعلیمات سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ اسلامی تعلیمات کا سرچشمۂ اوّل قرآن مجید ہے۔ لہٰذا قرآن کو سمجھنے کے لیے عربی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔ عربی سکھانے والی سینکڑوں کتابیں بازار میں موجود ہیں۔ ہر مصنف نے کوشش کی ہے کہ آسان سے آسان انداز میں عربی سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت یہ کتاب معلم لغۃ القرآن لکھی گئی ہے' جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں سمجھانے کے لیے تمام مثالیں قرآنی الفاظ و آیات سے لی گئی ہیں۔ مصنف نے بڑے سلیقے کے ساتھ اسباق کو ترتیب دیا ہے اور ہر قاعدہ سکھانے کے بعد مثالوں کے ذریعے اس کی مشق کرائی گئی ہے۔ ہر سبق کے آخر میں عربی سے اردو اور اردو سے عربی ترجمے کے لیے جملے دیے گئے ہیں۔ سادہ انداز تفہیم کی وجہ سے اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والے دلچسپی کے ساتھ اسباق میں آگے بڑھتے جائیں گے اور لگاتار محنت کرنے والے گوہر مقصود حاصل کر لیں گے' یعنی قرآن مجید کی آیات کا مطلب سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔

کتاب کے اخیر میں نماز کا ترجمہ صرفی نحوی ترکیب کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ ضمیمے کے طور پر تصریف الافعال کے کچھ جدول بھی دیے گئے ہیں جن میں ان افعال کی صرف کبیر دی گئی ہے جو قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے یہ ایک اچھی کتاب ہے۔

(۳)

نام کتاب : باپ
مصنف : ڈاکٹر کیپٹن غلام سرور شیخ
ضخامت : 280 صفحات ۔ قیمت : درج نہیں
ملنے کا پتہ: صغرا تاج پبلشرز 17۔سی گلفشاں کالونی' جھنگ روڈ' فیصل آباد

ڈاکٹر کیپٹن غلام سرور شیخ فیصل آباد کی معروف شخصیت ہیں۔ اپنا کلینک چلاتے ہیں' مگر اپنے ادبی اور علمی ذوق کی تسکین کے لیے دینی و اخلاقی کتب کا مطالعہ اور تصنیف و تالیف اُن کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ''باپ'' اُن کی تیسری کتاب ہے۔ اس سے پہلے وہ اپنے سفرِ حج کے تأثرات ''تکمیل آرزو'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ''ذکرِ ماں'' کے عنوان سے بڑی تحقیقی اور معلوماتی کتاب لکھ کر اپنی والدہ مرحومہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی محبت نے ان کے ہاتھ میں قلم تھما دیا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول : قرآن حکیم اور باپ
باب دوم : فرامین رسالت مآب ﷺ اور باپ
باب سوم : سنہری اور یادگار تحریریں
باب چہارم : شاعری اور باپ

حیرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی بھرپور مصروفیت سے اس قدر وقت نکال لیتے ہیں کہ نہ صرف ذوقِ مطالعہ کی تشفی کرتے ہیں' بلکہ حاصلِ مطالعہ کو کتاب کی صورت دے کر دوسروں تک پہنچانے کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب جہاں قارئین پر باپ کے مقام و مرتبہ کا احساس اجاگر کرے گی وہاں نوجوانوں کے دل میں والدین کی خدمت کا جذبہ بھی پیدا کرے گی۔ ڈاکٹر صاحب کا اندازِ تحریر سادہ' برجستہ اور مؤثر ہوتا ہے۔ باپ کے بارے میں جس قدر قیمتی معلومات اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں شاید وہ کسی اور کتاب میں نہ مل سکیں۔ باپ کے عنوان سے یہ کتاب پڑھنے کے قابل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب جلدی میں شائع کی گئی ہے اور پروف

ریڈنگ کو واقعی اہمیت نہیں دی گئی' کیونکہ کتاب میں جابجا کمپوزنگ کی اغلاط قاری کے لیے تکدرِ خاطر کا باعث بنتی ہیں۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔

(۴)

نام کتاب : جمالِ انور (سوانح علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ)

مصنف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 300 صفحات ۔ قیمت : درج نہیں

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ' سرحد پاکستان

مولانا عبدالقیوم حقانی درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ صاحبِ طرز ادیب اور زود نویس ہیں' انہیں اعاظمِ رجال کے سوانح لکھنے میں خصوصی دلچسپی ہے۔ اس سے قبل وہ مولانا عبدالحق' مولانا سید علی میاں' مولانا مفتی محمود' مولانا غلام غوث ہزاروی' مولانا محمد احمد اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہم کے سوانح شائع کر چکے ہیں۔ اسی طرح وہ دوسرے کئی مشاہیر کے حالات پر مشتمل القاسم کے خصوصی نمبر بھی شائع کر چکے ہیں۔ ان کی تحریر میں سادگی اور سلاست نمایاں ہوتی ہے۔ ''جمالِ انور'' اُن کی تازہ ترین تصنیف ہے جو علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ و سوانح پر مشتمل ہے۔

شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے معروف ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ عبقری شخصیت اور یگانہ روزگار ہستی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال کا حافظہ عطا کیا تھا' کتابوں کی کتابیں ان کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ غیر معمولی حافظے کی بنا پر ضخیم کتابوں کے حوالہ جات اُن کے نوکِ زبان پر ہوتے تھے۔ جہاں ان کے اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما جیسے مشاہیر شامل تھے' وہاں مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا اعزاز علی' مولانا بدر عالم' قاری محمد طیب اور مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہم جیسی عظیم شخصیات کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو علوم حدیث کے ساتھ خصوصی شغف تھا۔ قادیانیت کے خلاف ان کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ علامہ اقبال شاہ صاحب کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ زیرتبصرہ کتاب میں مصنف نے علامہ انور شاہ کاشمیری کے سوانح حیات نہایت جامعیت کے ساتھ سمو دیے ہیں۔

کتاب کے گیارہ ابواب ہیں جن میں شاہ صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر شایانِ شان روشنی ڈالی گئی ہے۔ جہاں شاہ صاحب تبحر علمی سے مالا مال تھے وہاں آپ کی سیرت اتباعِ سنت' سادگی' استغنا اور تواضع کی آئینہ دار تھی۔ مشاہیر کی زندگیوں کا مطالعہ قارئین میں حوصلہ' ہمت اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ علمِ دین کے طلبہ کے لیے خاص طور پر اس کتاب کا مطالعہ نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ کتاب میں کمپوزنگ کی کچھ اغلاط رہ گئی ہیں جن کی درستی ضروری ہے۔

(۵)

نام کتاب : قیامت سے پہلے تین قیامتیں

مؤلف : محمد نذیر یٰسین

ضخامت:153 صفحات قیمت:80 روپے ملنے کا پتہ: مکتبہ الحسن' حق سٹریٹ' اردو بازار لاہور

زیر تبصرہ کتاب ''قیامت سے پہلے تین قیامتیں'' محمد نذیر یٰسین کی تالیف ہے جو اگرچہ باقاعدہ تصنیف و تالیف کے پیشے سے تو وابستہ نہیں لیکن تحریکی مزاج اور حالات حاضرہ پر مسلسل نظر رکھنے کی وجہ سے ان کے قلب و نظر میں جو پختگی اور ژرف نگاہی کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے' دراصل وہ سبب بنی ہے ان کے قلم کی جولانی اور روانی کا' جس کی بدولت موصوف نے ایک ایسے موضوع پر کتاب لکھی' بلکہ لکھنے کا حق ادا کیا جس پر لکھنا دوسرے موضوعات کے مقابلے میں کافی مشکل ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کا انداز عام فہم' عبارتیں رواں اور سلیس' مضامین میں تنوع' حالات حاضرہ پر ماضی' حال اور مستقبل کے تناظر میں انطباق' نیز جا بجا علماء کرام اور دانشورانِ اُمت کے ٹھوس دلائل نے اس کی معنوی اور روحانی حیثیت کو اس حد تک اُجاگر کیا ہے کہ اس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ کتاب جن حالات میں لکھی گئی ہے' اس سے کتاب کی افادیت از خود بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس لیے کہ اس وقت بین الاقوامی حالات میں جو بلا کی تیزی آئی ہے اس نے اُمت مسلمہ کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں مزید سنبھلنے کی طاقت اس میں دکھائی نہیں دیتی' بلکہ صاف نظر آ رہا ہے کہ اُمت کا مستقبل نہایت تاریک ہے اور قوی اندیشہ ہے کہ باطل قوتیں مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گی جیسا کہ تاتاریوں کے فتنہ کے مقابلے میں مسلمانوں کا حشر ہوا تھا۔ مگر اس کتاب کے مطالعہ سے اس نقطۂ نظر کی تردید ہو جاتی ہے اور قاری سمجھ جاتا ہے کہ اُمت مسلمہ جس نظریے اور دین کے ساتھ وابستہ ہے' وہ نظریہ اور اس کی بنیاد پر بننے والا نظام زندگی کبھی بھی شکست نہیں کھا سکتا۔ باطل کا ہر غلبہ وقتی ہے اور جلد یا بدیر حالات توفیق الٰہی سے اُمت مسلمہ کے حق میں بدل جائیں گے۔

میری مخلصانہ رائے تو عام قارئین کو بھی ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اپنی بساط علمی و ذہنی کے موافق اس سے خیر اور نیکی کمائیں۔ لیکن بطور خاص تحریکی مزاج کے کارکنوں سے جو مختلف دینی اور مذہبی جماعتوں کے پلیٹ فارموں سے باطل قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہیں' عرض ہے کہ وہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ فاضل مؤلف کی اس سعی کو قبول فرمائے اور اسے مزید توفیق دے کہ وہ اُمت کی اس نہج پر رہنمائی کرتا رہے۔ آمین ثم آمین!

(تبصرہ نگار: مولانا غلام اللہ حقانی' دیر بالائی' اوچ)

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹس کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جاسکتا ہے۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 3-5869501